کے موازنہ مین جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا مطالعہ نوجوانون کے لئے سودمند ہوگا، اسی طرح بعض دوسرے اصلاحی مباحث پر گفتگو کی گئی ہے، لیکن وہ نامکمل اور تشنہ معلوم ہوتی ہے، اگرچہ یہ مباحث اس کتاب مین بار بار آئے ہین لیکن اسکے باوجود اس کی دلچسپی مین کوئی فرق نہین آیا ہے، کسی جگہ یہ معلوم نہین ہوتا، کہ ناول کے بجائے کوئی مذہبی یا اصلاحی لٹریچر زیر مطالعہ ہے، اور اس لحاظ سے اس کو ایک کامیاب ناول کہا جا سکتا ہے،

ہفت سورہ و قربات عند اللہ، مترجمہ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی ناشر دینی بکڈپو، اردو بازار، دہلی، حجم ۱۹۲ صفحے قیمت عکر

مولانا احمد سعید صاحب نے قرآن مجید کا بہت سہل اور آسان زبان مین ترجمہ کرنا شروع کیا ہے، اور نمونہ کیلئے ہفت سورہ کا ترجمہ شائع کیا ہے، ترجمہ مین خانوادہ ولی اللّٰہی اور حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ کے ترجمہ کو سامنے رکھا گیا ہے، ۶۰ صفحون مین سات سورتین مع ترجمہ درج ہین، اور ۱۳۲ صفحون مین قربات عند اللہ کے نام سے ورد و وظیفہ کیلئے دعاؤن کا مجموعہ ہے، جو گویا مقبول عام مجموعہ "مناجات مقبول" ہی کا مکمل نقش ہے، مولانا احمد سعید دہلی کی دلآویز، پاکیزہ زبان مین لکھتے ہین، امید ہے کہ ان کے قلم کے اس مجموعہ کو بھی عام مقبولیت حاصل ہوگی،

اپنا اپنا ماحول کا کارٹون، از جناب شیخ اکبر علی صاحب ایڈوکیٹ، ناشر کمال پبلشرز، نمبر ۲۶ مال روڈ لاہور، حجم ۴۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت عہ

مصنف نے اس مین گویا اپنے سوانح حیات مزاحیہ انداز مین لکھے ہین، اور اس ضمن مین مختلف سیاسی، تعلیمی اور تمدنی مسائل پر اظہار خیال کیا ہے، مزاح نگاری کا فن نہایت لطیف ہے، اس تصنیف مین کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا قلم کارٹون بنانے ہی کیلئے اٹھایا گیا ہے، لیکن کارٹونون مین خود قوت گویائی پوشیدہ ہوتی ہے، ان کو کھول کر بیان کرنے مین شاید اصل لطف باقی نہین رہ سکتا،

ہمالیہ کی گود مین، از جناب ساگر چند گورکی، حجم ۹۹ صفحے تقطیع $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۴}$ ناشر راج محل پبلشرز، جمون، کشمیر، قیمت ۱۲؍ عہ

"ہمالیہ کی گود مین" مصنف کے ایسے مختصر افسانون کا مجموعہ ہے جنکے پلاٹ کا تعلق ہمالیہ کے پر فضا مقامات سے ہے، ان افسانون مین وادیون کی دلچسپ سیاحت، وہان کی آبادی کے مختلف طبقون کی زندگی کی تصویر، اور مختلف پر فضا مقامات اور انکے ماحول کا مرقع پیش کیا گیا ہے، بعض افسانے جیسے "کلرم"، "خاموش بدلہ" دلچسپ ہین، افسانون کی زبان سلیس اور روان ہے، جناب راجندر سنگھ بیدی نے اس مجموعہ پر اپنا مقدمہ لکھا ہے، یہ کتاب ادبی حلقون مین پسند کئے جانے کے قابل ہے،

"س"

جلد ۶۰ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۷ء عدد ۳

مضامین

شذرات

کہتے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان آزاد ہوگئے، لیکن افسوس ہے کہ اس وقت ملک کے مختلف حصون مین قتل وغارتگری وبربادی جو انتہائی سنگدلی سے ہو رہی ہے، وہ ہر ہندو اور مسلمان کے لئے سخت قابلِ افسوس ہے، اس کے معنی یہ ہین کہ ابھی تک اہلِ ہند آزادی کی سچی قدر کرنے سے محروم ہین، اگر یہی لیل ونہار ہین تو ڈر ہے کہ ملی ہوئی نعمت بھی اُن سے زائل نہ ہو جائے،

وقت تو یہ تھا کہ دونون قومین اپنے اپنے دائروں مین ملک کی خوشحالی، باشندون کی راحت رسانی کی مختلف تجویزون کو زیرِ عمل لانے مین اپنی کوششین صرف کرتین، لیکن اس کے بجائے ملک کی تباہی وبربادی کا سامان کیا جا رہا ہے، ڈر ہے کہ کہیں دنیا کی نگاہ مین یہ اس بات کی دلیل نہ بن جائے، کہ یہ ملک ابھی غلام ہی بننے کے لائق تھا، اور جو امانت اس کے سپرد کی گئی ہے، اوس کی حفاظت کی اہلیت اس مین پیدا نہین ہوئی ہے،

جولائی کے شذرات مین روس مین احیاے اسلام کی تحریک کے سلسلہ مین جو کچھ لکھا گیا، اس سے احباب کے بعض حلقون مین غلط فہمی پیدا ہوئی، ہمارے لائق دوست ملک نصر اللہ خان صاحب عزیز نے کوثر کے دو نمبرون مین اس پر اپنا اختلافی افتتاحیہ لکھا، اور برادر عزیز مولانا مسعود عالم صاحب ندوی نے بھی اپنے مکتوب میں اس جانب توجہ دلائی ہے،

لیکن ان دوستون کو ہمارے طرزِ بیان سے شاید غلط فہمی پیدا ہوئی، ہمارا مقصود صرف یہ دکھانا تھا، کہ دوسری بڑی لڑائی کے بعد روس نے ایک نئی کروٹ لی ہے، وہ ملک جو کبھی الحاد وزندقہ کا مرکز تھا، اسلام کے نام پر وہان مسلمانون کی شیرازہ بندی کی جا رہی ہے، اور یہ ہمارے نزدیک ایک خوشگوار تبدیلی ہے، یہ صحیح ہو کہ اسلام واشتراکیت کا میل نہین ہو سکتا، لیکن وہان کے مسلمانون مین اگر اپنے اشتراکی تصورات کے ساتھ اسلام کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو جائے، تو وہ بھی سراہنے کے لائق ہے، ہمارے نزدیک اسلام صرف وہ قوتِ قاہرہ نہین جس کے آگے گردنین جھکائی جائین، بلکہ اسلام کے مفہوم مین وسعت موجود ہے ھلا شققت قلبہم

کے بموجب وہ جس حد تک اسلام سے اپنا تعلق ظاہر کرین گے، اسلام اپنے آغوش کو ان کے لئے وا کریگا کہ شاید اسی راہ سے وہ اسلام کی صحیح روشنی کو پا سکین،

ابوبکر ابن محمد بن دُرید ازدی، چوتھی صدی کے ممتاز عرب شعرا مین سے تھا، جناب بدر الدین صاحب علوی ایم اے استاذ مسلم یونیورسٹی نے اس کے کلام کا مجموعہ اپنی تصحیح وتحشیہ کے ساتھ مصر سے چھپوا کر شائع کیا ہے، اہلِ ذوق اس کے نسخے مرتب موصوف سے نذیر احمد روڈ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پتہ سے منگا سکتے ہین

علامہ ابنِ حزم اندلسی کی جمہرۃ الانساب، انساب کی تاریخ مین اہم تصنیف ہے، اس مین عرب کے مشہور قبائل وبطون اور اُن کے باہمی ربط کو تفصیل سے بیان کیا ہے، نیز بربر، بنی اسرائیل اور ایرانیون کے قدیم نسب کو بیان کیا گیا ہے، اور ایام عرب اور مختلف عرب قبائل اور خانوادون کے ضمن مین ممتاز شعراء وارباب کمال کو روشناس کیا گیا ہے، جناب مسعود حسن صاحب لکچرر پٹنہ کالج شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے اس نادر تصنیف پر اپنا وقت صرف کیا، اور اس کے چند قلمی نسخون کی مدد سے تصحیح وتحشیہ کے ساتھ اس کو مرتب کر لیا ہے، اس سلسلہ مین موصوف نے جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال مین علامہ ابن حزم کے سوانح پر ایک قیمتی مقالہ بھی لکھا ہے، اور اس ذیل مین جمہرہ کے ایڈٹ کرنے کا ذکر آیا ہے، اب موصوف اپنے والا نامہ مین لکھتے ہین، کہ اگر کوئی ادارہ اس نسخہ کی اشاعت کے لئے آمادہ ہو تو وہ اس کو اپنا نسخہ پیش کر سکتے ہین، یہی کے عربی کتابون کے تاجرون مین سے اگر کوئی صاحب اس خدمت پر آمادہ ہو جائین تو ایک مفید علمی خدمت انجام پا سکتی ہے، اس سلسلہ مین موصوف سے عربک ڈیپارٹمنٹ، پٹنہ یونیورسٹی، "پٹنہ" کے پتہ سے مراسلت کی جا سکتی ہے،

پی، ای، ان، (پوائٹس، ایڈیٹرز، ناولسٹ) آل انڈیا سنٹر کے نام سے ایک بین الاقوامی علمی مجلس بمبئی مین قائم ہے، اس کی داغ بیل ۱۹۲۱ء مین مسز ڈاوسن اسکاٹ نے بین الاقوامی بنیاد پر ڈالی تھی، اور آل انڈیا سنٹر کے پہلے صدر نشین ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور اور وائس پریسیڈنٹ مسز سروجنی نائیڈو تھین، ٹیگور کی وفات کے بعد مسٹر راما نند چٹرجی، اس کے صدر اور حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی اور پنڈت جواہر لال نہرو اس کے نائب صدر منتخب کئے گئے، یکم جولائی ۱۹۴۷ء تک، ہندوستان مین اس کے ارکان کی تعداد ۴۰۰ تھی، اس مجلس کے زیرِ اہتمام ہندوستان کی مختلف زبانون کے اربابِ قلم، اپنے مقالے پڑھتے رہے، اور ایک سے زیادہ مرتبہ اس کے عمومی اجلاس منعقد ہوئے اس کا آخری اجلاس

۱۹۲۵ء میں جے پور میں ہوا تھا جس میں ہندوستان کے مختلف حصوں کے ارباب علم جمع ہوئے تھے، نیز یورپ کے مختلف ملکوں کے نمایندوں نے بھی شرکت کی تھی، اب اس مجلس کا سالانہ اجلاس ۲۹ نومبر کو بنارس میں منعقد ہو رہا ہے، امید ہے کہ اہلِ علم اس سے دلچسپی لیں گے،

پی، ای، ان کا ایک ماہنامہ بھی، "انڈین پی ای ان" کے نام سے شائع ہوتا ہے، جو اس کے ارکان کو ہدیۃً اور ۵ر سالانہ قیمت میں آریا سنگھا نراین روڈ بھو لکر روڈ، مالابار ہل بمبئی کے پتہ سے مل سکتا ہے، اس ماہنامہ میں کتابوں پر عام ریویو کے علاوہ مختلف ہندوستانی زبانوں، بلوچی، بنگالی، ہندی، ملیالم، مرہٹی، اوڑیا، سنسکرت، سندھی، تامل، تیلنگو، اور اردو کی ماہانہ خدمات اور مطبوعات کا جائزہ لیا جاتا ہے، افسوس ہے کہ اردو کے متعلق جو کچھ لکھا جاتا ہے، وہ محض سطحی معلومات پر مبنی ہوتا ہے، حالانکہ بمبئی میں اردو کی دنیا سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم کی کمی نہیں ہے، اس ادارہ کو کسی مستند صاحبِ علم کے خدمات حاصل ہو سکتے ہیں،

———:———

انجمن تحفظ اردو، یوپی، لکھنؤ میں ایک نو قائم مجلس ہے، جو تقریباً ایک سال سے جناب محسن نظامی کی سرکردگی میں اردو زبان کی خدمت انجام دے رہی ہے، اس انجمن نے اردو کی عام اشاعت کے لئے اردو ٹائم ٹیبل چھاپنے کا اہتمام کیا ہے، اور سرست چار ریلوے، ایسٹ انڈین، او ٹی، بی بی اینڈ سی آئی، اور جی، پی، آئی، کے ٹائم ٹیبل کو اردو میں شائع کیا ہے، اور ہر ایک کی قیمت صرف ۲ر رکھی گئی ہے، یہ ٹائم ٹیبل بڑے اسٹیشنوں پر مل سکتے ہیں، اور ۳ر کے ٹکٹ بھیج کر دفتر انجمن تحفظ اردو، یوپی، لکھنؤ سے بھی منگائے جا سکتے ہیں،

———✂———

جناب ڈاکٹر نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی کے مضامین نثر کا مجموعہ "مقالات شروانی" کے نام سے شائع ہوا ہے، یہ مولانا موصوف کے ۴۳ سال کے مضامین کا مجموعہ ہے، جو مختلف علمی، ادبی، اور تاریخی مقالات پر مشتمل ہے، اردو کی مشہور کتابوں پر ریویو، مختلف شعرائے اردو و فارسی کے کلام پر نقد، اور کتب خانہ حبیب گنج کے مختلف نوادر کو ان مقالات میں روشناس کیا گیا ہے، توقع ہے، کہ ملک کے علمی و ادبی حلقہ میں اس مجموعہ کو عام قبولیت حاصل ہوگی،

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(۶)

(۱۰) مسئلۂ ارتقاء اثباتِ خودی کا یہ دسواں مقدمہ بلکہ خودی کی ترقی، جد و جہد اور تگ و دو کی آخری منزل ہے، عملی حیثیت سے عجمی تصوف اگرچہ بالکل شکستہ پا اور غیر متحرک ہے، لیکن اخلاقی اور روحانی ترقی کی راہ میں اس کا قدم کسی منزل پر نہیں رکتا، اور ہمیشہ خوب سے خوبتر کی تلاش میں رہتا ہے،

ہر نگارے کہ مرا پیشِ نظر می آید   خوش نگاریست ولے خوشتر ازاں می باید

اس لئے ہمارے صوفیہ موجودہ انسان اور موجودہ انسانی دنیا پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ اس سے کامل تر انسان اور اس سے کامل تر دنیا کی تلاش کرتے ہیں، خواجہ حافظ فرماتے ہیں،

آدم خاکی درین عالم نمی آید بدست

عالمے دیگر بباید ساخت از نو آدمے

قدیم حکمائے یونان میں جو لوگ صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے، وہ بھی اسی قسم کے برگزیدہ انسان کی تلاش میں رہتے تھے، دیو جانس کلبی کی نسبت مشہور ہے، کہ وہ دن میں چراغ لے کر منڈی میں پھرا تھا،

یونان کے لوگ اس کو ایک پاگل حکیم سمجھتے تھے، لوگون نے پوچھا کہ حضرت دن دہاڑے چراغ لے کر کیا ڈھونڈھ رہے ہین؟ کہنے لگا کہ آدمی کو ڈھونڈھتا ہون، لیکن جب اس سے کہا گیا کہ آدمیون کا ہجوم تمہین نظر نہین آتا؟ تو اس نے جواب دیا، کہ یہ سب ادنیٰ درجہ کی مخلوق ہے، آدمی ان مین ایک بھی نہین، چونکہ انسان کامل کی جستجو کا یہ ایک بہترین شاعرانہ طریقہ تھا، اس لئے مولانا روم نے اس کو بعینہٖ نظم کر دیا ہے۔

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر | کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
از ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت | شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست[1]

ڈاکٹر صاحب کا منتہائے آمال بھی یہی انسان کامل ہے، اور انھون نے اس کی جستجو اور نایابی کو دیو جانس کلبی سے زیادہ مبالغہ آمیز طریقہ پر بیان کیا ہے، ع خدا ہم در تلاش آدمی ہست

فلسفہ و حکمت نے اگرچہ قدیم زمانہ مین بھی بہت کچھ ترقی کر لی تھی، اور اب اس سے بھی زیادہ ترقی کر رہے ہین، لیکن ڈاکٹر صاحب کے نزدیک وہ اب تک انسان کامل کے پیدا کرنے مین ناکامیاب رہے ہین،

حکیمان گرچہ صد پیکر شکستند | مقیم سومنات بود و ہستند
چسان افرشتہ و یزدان بگیرند | ہنوز آدم بفتراکے نہ بستند

یہ انسان اصول فطرت کے مطابق صرف روحانی ارتقاء سے پیدا ہو سکتا ہے، چنانچہ ارباب رسائل اخوان الصفا نے اس مسئلہ پر ایک مستقل مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ معدنیات کی ترقی کا آخری درجہ نباتات سے اور نباتات کا آخری درجہ حیوانات سے اور حیوانات کا آخری درجہ انسان سے اور انسان کا آخری درجہ ملائکہ سے ملا ہوا ہے، اور ملائکہ کے بھی مختلف درجے ہین جن مین باہم اسی طرح ابتدا و انتہا تعلق ہے[2]،

[1] رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۳۰۳ و ۳۰۴، [2] رسائل اخوان الصفا جلد ۳ ص ۲۳۲

علامہ ابن مسکویہ نے الفوز الاصغر مین انسان کی ترقی کے مختلف مدارج نہایت تفصیل سے دکھائے ہین اور اس سے نبوت پر استدلال کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ پھر حیوان ترقی کر کے حیوانیت کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتا ہے اور انسان کی سرحد مین داخل ہو جاتا ہے گو یہ درجہ باعتبار حیوانیت کے اعلیٰ ہے مگر بہ نسبت انسانیت کے بہت نیچا ہے، اور یہ درجہ بندر وغیرہ کا ہے جو انسان سے بالکل مشابہ ہین، اور ان مین اور انسان مین تھوڑا ہی سا فرق ہے جس کو اگر بندر طے کر لین تو بالکل انسان ہو جائین، جب حیوان اس درجہ پر پہونچ جاتا ہے تو اس کا قد سیدھا ہو جاتا ہے، اور اس مین تھوڑی سی تمیز کی قوت آجاتی ہے، اور وہ تربیت سے سمجھدار ہو سکتا ہے، یہ درجہ اگرچہ جانورون کی بہ نسبت زیادہ بلند ہے لیکن انسان کامل کے درجہ سے بہت پست ہے، یہ حیوان نما انسان زمین کے آباد حصے کے انتہا، اور اس کے اطراف مثلاً شمال و جنوب اور زنگستان مین پائے جاتے ہین، کیونکہ ان مین اور بندرون مین کچھ زیادہ فرق نہین ہوتا، نہ ان کا کوئی فلسفہ منقول ہے، اور نہ انھون نے اپنی ہمسایہ قومون سے علم و فن حاصل کیا ہے، اسی طرح عقلِ انسانی درجہ بدرجہ بڑھتی جاتی ہے، یہان تک کہ زمین کی وسط آبادی یعنی تیسری، چوتھی اور پانچوین اقلیم مین پہنچکر درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے، اور ان مین ذہانت، سمجھ، بیدار مغزی اور صنعتی ذکاوت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ علوم کے پیچیدہ مسائل حل کرنے لگتے ہین، اور علوم و فنون کو وسعت دیتے ہین، پھر اس درجہ مین بھی فرق مراتب پیدا ہو جاتا ہے، یہان تک کہ بعض لوگ اس قدر سریع الفکر، صحیح النظر اور صائب الرائے ہوتے ہین کہ آئندہ ہونے والے واقعات کی پیشینگوئی کر سکتے ہین، گویا یہ لوگ غیب کی باتون کو ایک باریک پردہ کی آڑ سے دیکھ لیتے ہین، جب انسان اس بلند درجہ تک پہنچ جاتا ہے، تو وہ ملائکہ کی سرحد مین داخل ہو جاتا ہے یعنی ایک ایسی شخصیت عالم وجود مین آجاتی ہے جو انسانی شخصیت سے بلند ہوتی ہے، اور اس مین اور فرشتون مین بہت تھوڑا سا فرق رہ جاتا ہے، ترقی کے ان مدارج کو سامنے رکھکر انسانیت کے بلند درجہ کی انتہا معلوم ہو سکتی ہے، اور رسالت اور نبوت کی بلند پایگی سمجھ مین آسکتی ہے[1]،

[1] الفوز الاصغر ص ۹۰-۹۱-۹۲،

ڈاکٹر صاحب نے بھی ارتقاے انسان کا یہی فلسفیانہ نظریہ اختیار کیا ہے،

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہین کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جاے

لیکن یہ مہ کامل اب تک ضوفشان نہین ہوا ہے، اس لئے دنیا اس کے طلوع کے انتظار مین ہے،

درین عالم بہشتِ خرمے ہست بشاخِ او ز افشانِ من نمی ہست

نصیب او ہنوز آن ہاو ہو نیست کہ او در انتظار آدمے ہست

بدہ او را جوانِ پاکبازے سرورش از شرابِ خانہ سازے

قوی بازوے او مانند حیدر دلِ او از دو گیتی بے نیازے

ز من ہنگامۂ دہ این جہان را دگرگون کن زمین و آسمان را

ز خاکِ ما دگر آدم برانگیز بکش این بندۂ سود و زیان را

نقشِ دگر طراز دہ آدم پختہ تر بیار لعبت خاک ساختن می نہ سزد خداے را

ان اشعار سے اس انسانِ کامل کے اوصاف بھی معلوم ہوتے ہین، یعنی وہ ایک ہنگامہ خیز، پاکباز، قوی ہیکل، بے نیاز، پختہ مغز، انقلاب انگیز اور بادۂ خودی کا سرمست انسان ہوگا، اور اس کے سامنے موجودہ انسانون کی حیثیت مٹی کے کھلونون سے زیادہ نہین ہوگی، لیکن علم و حکمت اور فلسفہ و سائنس کے ذریعہ انسان کامل نہین پیدا ہو سکتا، بلکہ اوس کو صرف ایک روحانی جذبہ یعنی عشق پیدا کر سکتا ہے،

بیا اے عشق اے رمز دلِ ما بیا اے کشتِ ما اے حاصلِ ما

کہن گشتند این خاکی نہادان دگر آدم بنا کن از گلِ ما

یہ انسان کامل چونکہ خود عقل، عشق اور اخلاقِ حسنہ کا مجموعہ ہوگا، اس لئے وہ جس دنیا مین زندگی بسر کرے گا، یا جس عالم کو وہ پیدا کرے گا، اوس کی ترکیب بھی انھی تینون اجزا سے ہوگی،

عالمے در سینۂ ما گم ہنوز عالمے در انتظارِ قم ہنوز

عالمے بے امتیاز خون و رنگ شام او روشن تر از صبح فرنگ

عالمے پاک از سلاطین و عبید چون دل من کرانش ناپدید

عالمے رعنا کہ فیض یک نظر تخم او افگند در جانِ عمرؓ

لایزال و وارداتش نو بنو برگ و بار محکماتش نو بنو،

باطنِ او از تغیر بے غمے ظاہر او انقلاب ہر دمے

اندرونِ تست آن عالم نگر می دہم از محکماتش او خبر

خیز و نقشِ عالمِ دیگر بنہ عشق را با زیرکی آمیز دہ

شعلۂ افرنگیان نم خوردہ ایست چشم شان صاحب نظر دل مردہ ایست

سوزِ مستی را مجو از تاکِ شان عصرِ دیگر نیست در افلاک شان

زندگی را سوز و ساز از نارِ تست عالم نو آفریدن کار تست

مصطفےٰ کو از تجدد می سرود گفت نقش کہنہ را باید زدود

نو نہ گردد کعبہ را رختِ حیات گر ز افرنگ آیدش لات و منات

ترک را آہنگ نو در چنگ نیست تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست

سینۂ او را دمے دیگر نبود در ضمیرش عالمے دیگر نبود

لاجرم با عالمے موجود ساخت مثلِ موم از سوزِ این عالم گداخت

طرفگیہا در نہادِ کائنات نیست از تقلید تقویمِ حیات

زندہ دل خلاق اعصار و دہور جانش از تقلید گردد بے حضور

چون مسلمانان اگر داری جگر در ضمیر خویش و در قرآن نگر

صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست　　عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست

یک جہانش عصرِ حاضر را بس است　　گیر اگر در سینۂ دل معنی رس است

بندۂ مومن ز آیاتِ خداست　　ہر جہان اندر برِ او چون قباست

چون کہن گردد جہانے در برش　　می دہد قرآن جہانے دیگرش

یہ کامل ترین انسان جو اس قسم کا ترقی یافتہ عالم نو پیدا کر سکتا ہے، خودی کی ترقی کی آخری منزل ہے، اور اسرارِ خودی مین ڈاکٹر صاحب نے خودی کی تربیت و ترقی کے اسی آخری مرحلہ کو نیابت الٰہی کے نام سے موسوم کیا ہے، اور اس نائب الٰہی کا خیر مقدم نہایت پرجوش اشعار مین کیا ہے،

اے سوارِ اشہبِ دوران بیا　　اے فروغِ دیدۂ امکان بیا

رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو　　در سوادِ دیدہا آباد شو

شورشِ اقوام را خاموش کن　　نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن

خیز و قانونِ اخوت سازدہ　　جامِ صہبائے محبت بازدہ

بازدہ عالم بیار ایامِ صلح　　جنگجویان را بدہ پیغامِ صلح

نوعِ انسان مزرع و تو حاصلی　　کاروانِ زندگی را منزلی

ریخت از جورِ خزان برگِ شجر　　چون بہاران بر ریاضِ ما گذر

سجدہ ہائے طفلک و برنا و پیر　　از جبینِ شرمسارِ ما بگیر

از وجودِ تو سر افرازیم ما　　پس بآلامِ جہان سازیم ما

یہ سوارِ اشہبِ دوران زمانہ کے ہزارون تغیرات و انقلابات کے بعد پیدا ہوتا ہے،

طبعِ فطرت عمرہا در خون تپد

تا دو بیتِ ذاتِ او موزون شود

اس لئے ڈاکٹر صاحب نے اس کے مدارج ارتقاء کی توجیہ فرانس کے مشہور فلسفی برگسان کے نظریۂ زمان و مکان سے کی ہے جس کا خلاصہ ایک مختصر لفظ "دائمی تخلیق" مین کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہ کوئی چیز ہے نہین، بلکہ ہوتی رہتی ہے، ہر چیز اپنے سے مختلف بنتی رہتی ہے، کائنات ساکن نہین بلکہ متحرک ہے"[1]

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید　　کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

سکون محال ہے قدرت کے کارخانے مین　　ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے مین

[1] شوپنہار از مجنون گورکھپوری ص ۲۷،

مآل و مشیّت

از

جناب صاحبزادہ ظفر حسین خان صاحب لکھنو

حقیقت و مجاز، ظاہر و باطن، حق و باطل، ادب، مذہب اور فلسفہ کا مشترک موضوع رہا ہے اور فرق طریق تعبیر اور اسلوب بحث کا ہے، ادب کا نقطۂ نظر تخیلی، مذہب کا وجدانی اور فلسفہ کا تنقیدی عقلی ہوتا ہے، ادب کی نگاہِ تخیل، حجابِ مجاز مین حقیقتِ منتظر کی جھلک دیکھتی ہے، مذہب کے ہمہ گیر وجدان کو مخلوق مین خالق، کائناتِ عالم مین پروردگارِ عالم، اور ارض و سما مین فاطر السمٰوٰت والارض کا جلوہ نظر آتا ہے، فلسفہ اپنے سلوکِ حقیقت مین مذہب و ادب کا حریف نہین، اس کی راہ مذہب و ادب سے بالکل الگ ہے، فلسفہ کا آغاز و انجام، سرتاسر نمود و حقیقت کی تفریق اور اصلیت و نمائش کے امتیاز پر ہے، "کیا ہے اور کیا معلوم ہوتا ہے" فلسفہ کا سب سے پہلا اور سب سے آخر سوال ہے، اور سارا فلسفہ اسی اجمال کی تفصیل ہے، جس قدر ہم اپنے تجربہ اور تعلیم و ہدایت مین ترقی کرتے جاتے ہین، اصل و ظاہر کا فرق اور گہرا ہوتا جاتا ہے، اور نمود و حقیقت کی مثالین ہم کو قدم قدم پر ملتی ہین، زمین کا ظاہری سکون اور جنبی حرکت، ظاہری دوستی اور باطنی خود غرضی اور اس قبیل کے دیگر تفریقات سے انسان تعلیم اور تجربہ کے ابتدائی مراحل ہی مین روشناس ہو جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب تک ہم کو اپنے مشاہدات مین تناقض نظر نہین آتا، ہم اُن کو اصلی اور صحیح تسلیم کرتے ہین، اور اُن مشاہدات کی اصلیت یا عدم اصلیت کا سوال ہی نہین پیدا ہوتا، اور نہ اس امر کی تنقید کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان مین سے ہر ایک مین کتنی اصلیت ہے،

کاش ہمارے تمام مشاہدات اس طرح غیر متناقض ہوتے اور اس لئے غور و خوض کی ضرورت ہی نہ ہوتی، اگر ایسا ہوتا تو نہ فلسفہ کا وجود ہوتا، اور نہ "غلطی" کا لفظ کبھی شرمندۂ معنی ہوتا، لیکن جب دو مشاہدے ہمارے حواس کی تصدیق کے باوجود، عقل سلیم کو متناقض نظر آتے ہین، ہم دونون متناقض مشاہدون کی صحت بیک وقت اور بیک معنی باور نہین کر سکتے، اس لئے کہ عقل کہتی ہے، کہ دونون مین سے ایک ہی صحیح ہو سکتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونون کے دونون فریب نظر ہون، اور حقیقت کسی تیسری شے مین مرکوز ہو،

غرض کہ فلسفہ کی متصل سعی یہی رہی ہے کہ ظواہر کو عقل مین چھان کر حقیقت کو ظواہر سے جدا کرے، فلسفہ کی ساری تاریخ اسی چھان بین کی ایک طولانی حکایت ہے، جس کو ہر فلسفی نے اپنے نقطۂ خیال سے بطرز نو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، کبھی کائنات عالم کی حقیقت، علت و معلول کا سلسلہ بیان کیا جاتا ہے مگر پھر اس سلسلہ کے نامتناہی ہونے سے جو تناقض عائد ہوتا ہے، تو اس نظریہ سے گریز کیا جاتا ہے، کبھی حقیقت نظامِ اقدار مین جلوہ پذیر ہوتی ہے، اور جو قصر امل تعمیر ہوتا ہے، اس کی وسعت کی کوئی انتہا نہین ہوتی، کبھی ناامیدیون کی شورش بالآخر قنوطیت پر ختم ہوتی ہے، اور ہر چیز ہیچ نظر آنے لگتی ہے، لیکن یہ سب جیسا ہم نے پہلی صحبت مین کہین اشارہ کیا تھا، چند ذہن کے جزو کائنات پر عمل کی ناقص مثالین ہین، عقل محض کی نظر مین جو کائناتِ عالم اسباب تھا، ارادہ محض کی نظر مین نظام امل اور جذبۂ محض کی نظر مین الم آباد نظر آتا ہے، کل ذہن کی نظر مین کل حقیقت کیا ہوگی، یہ ہمارے فلسفۂ حیات کا اصل موضوع ہے، ذہن انسانی کے ہر سہ یک طرفہ فیصلون کے مقابلہ مین ذہن کے یکجائی سہ پہلو عمل کی مثال اگر تلاش کرنا ہو، تو تھوڑی دیر کے لئے "فلسفہ کے روکھے پھیکے مضمون سے قطع نظر کر کے، ادب کے کسی شاہکار کو لیجئے اگر وہ نظم ہے تو ایک طرف سوائے الفاظ کے مجموعہ کے کیا ہے، اور عقل دوڑائی تو الفاظ کے اس مجموعہ کو صرف و نحو اور عروض کے بندھے ٹکے قواعد کے ماتحت پایا، لیکن کیا کسی شاہکار ادب کی یہ مکمل تعریف ہوگئی، کہ وہ صرف و نحو اور عروض کے مطابق الفاظ

کا مجموعہ ہے؟ کیا کسی شاہکار کی جان اُس کا پلاٹ، محاکات اور وہ غرض و غایت نہین جو قواعد و عروض سب پر حاوی ہے، اور بسا اوقات اس کی قواعد شکنی بھی بھلی معلوم ہوتی ہے، اور نقادانِ فن سے جواز کا سند حاصل کرتی ہے، الفاظ کا دروبست، محاکات، پلاٹ اور تصنیف کی اصلی غرض و غایت جوان سب کا محرک اور نگران ہے، یہ سب چیزین مل کر شاہکار کا تصور پورا کرتی ہین،

اسی طرح حقیقتِ کائنات صرف ہمارے محسوسات و مشاہدات کا نام نہین بلکہ یہ تمام وہ کچا مال مسالہ ہے، جن کی ترکیب بالآخر حقیقت بنے گی، قوانین فطرت، علت و معلول کے علائق و تصورات، کائنات کے اندر وہی مرتبہ رکھتے ہین، جو ادب مین صرف و نحو کے قواعد، حقیقت کی جان کائنات کا نظام ہے اور چونکہ ہر نظام اپنی آخری تحلیل مین مآلی ہوتا ہے، اُس لئے مآل کل کائنات کی روحِ روان ہے، ہر شے کے معنی اس کا مقصد ہے، اور بغیر کسی مقصد کے ہر شے بے معنی ہے، سلسلۂ اسبابِ محض بغیر کسی غایت کے مہمل نظر آتا ہے، انسان کے ذہن ہی کے مختلف اعمال لے لیجئے، ارادہ تو اپنی نوعیت کے اعتبار سے کسی غرض و غایت سے وابستہ ہوتا ہی ہے، غور کیجئے تو عقل اور جذبہ کی ماہیت بھی مآلی ہے، حق و باطل کا امتیاز عقل کا مقصد وحید ہے، جو ہر عمل امتیاز مین پورا ہوتا ہے، لذت، مقصد وری اور الم، مجبوری مقصد کا دوسرا نام ہے، حقیقت مین الم ہی ہم کو کائنات کی مآلی ماہیت سے روشناس کراتا ہے، اور ہم کو اپنے دلی ارادون اور اغراض کا پتہ کچھ کھو کر ہی چلتا ہے، کسی محبوب سے محبت اور اس کے جانب اپنے ارادون کا پتہ اس وقت چلتا ہے، جب وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے چھن کر دوسرے کے قبضہ مین چلی جاتی ہے، غرضکہ ہم اپنے اغراض و غایات کا ابتدائی درس اپنی شکستون، ناامیدیون اور مایوسیون ہی کی زبان سے لیتے ہین،

لیکن کائنات عالم کا مآلی تصور، قنوطیت کا مرادف نہین ہے، رنج و محن، ابتلاء و کشمکش حیات مآلی نظریہ کے رو سے گویا زینہ ہین، کسی اور بلند ترین مقصد حیات تک پہنچنے کا، رنج و الم ہی ہمارے دل مین امید کا چراغ روشن رکھتے ہین،

شہد کی مکھی، چیونٹی یا کسی ادنی سے ادنی مخلوق کو لے لیجئے، اس کی ترتیب عمل و تقسیم کار مین مآل شناسی کی جھلک نظر آئے گی، مخلوقات، ارتقار کے زینہ پر جس قدر اوپر چڑھتے جاتے ہین، مآل اندیشی ان کے اعمال مین اور زیادہ کارفرما ہوتی جاتی ہے، ارتقار کے نیچے درجون یعنی نباتات و جمادات کے نظام بھی ترتیب و نظام سے خالی نہین، اور ترتیب و نظام جہان بھی پائے جائین، سمجھ لیجئے کہ وہان مآل کارفرما ہے، سارا فلسفہ کون و فساد عناصر کے ترتیب و انتشار ہی مین منحصر ہے،

زندگی کیا ہے عناصر مین ظہورِ ترتیب

موت کیا ہے؟ انہی اجزار کا پریشان ہونا

کونیات کی ساری تاریخ کا راس المال اسی نظم و ترتیب کا انکشاف ہے، آسمان پر بظاہر بے ترتیب بکھرے ہوئے تارے، زمین کے جا بجا منتشر ذرے، درخت کے پتون کے بظاہر بے ربط رگ و ریشے ایک عامی و جاہل کی نظر مین مہمل و بے معنی ہون، لیکن ایک عارف حقیقت کے سامنے دفتر حقیقت کھول دیتے ہین،

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار

ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اس مقام پر اس امر کی تشریح مقصود نہین کہ جو ترتیب و نظام ہم جمادات، نباتات، اور حیوانات مین دیکھتے ہین اُن کے پس منظر کون مآل پوشیدہ ہین؟ یعنی مآل جمادی کیا ہے؟ مآل نباتی کی کیا تعریف ہے، اور مآل حیوانی کی نوعیت کیا ہے؟ جمادیات مین ظہور ترتیب، نظامِ شمسی مین ریاضوی نظم کا اشارہ کس مآل کی جانب ہے، نظامِ نباتی اور نظامِ حیوانی اپنی اپنی جگہ پر کس مخصوص مآل کی تفسیرین ہین؟ آیا ان تمام انتظامات اور بندوبست عالم کا مآل آخر استقرار وجود یا استحصال بقا ہے، یا کوئی دوسری قدر؟ یہان اس سے بحث نہین، اس مقام پر بتانا صرف اس قدر منظور ہے کہ

مآل ایسی چیز نہین ہے کہ اس کو توڑ کر موالید ثلاثہ پر تقسیم کر دیا گیا ہو، اس لئے کہ یہ پھر ایک مصنوعی تحلیل کی مثال ہوگی، جس کی دوسری مثالین کسی اور صحبت مین بیان کی جا چکی ہین، عالم کون و مکان ایک ہے، اور کائناتِ عالم کی ہر شے ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہے، کہ اس کی تجرید صرف عقلی طور پر کی جا سکتی ہے، اور جو ہمارے خیال مین عقل کا ناقص ترین مصرف ہے، حقیقت مین وہ سب ایک ہین، اور تمام نظر ہی تمام حقیقت کو دیکھ سکتی ہے، تجریدی نظر، اجزاء، شئون، اور صفات مین پھنس کر رہ جاتی ہے، مآل کائنات ایک کلی شے ہے، اس کا تجزیہ کیجئے گا تو وہ بھی مسخ ہو جائے گا،

چنانچہ ترتیب و تنظیم، تعلیل و تسبیب مآل کے وہ خصوصیات اور نشانات ہین، جن سے ہم کو مآل کا پتہ چلتا ہے، اور فہم انسانی کو تصورِ مآل تک پہنچنے مین مدد ملتی ہے، "مشیت" کے لفظ کا استعمال بحث کی اس منزل پر ابھی قبل از وقت ہے، اس مقام پر صرف یہ کہنا کافی ہوگا، کہ مآل اندیشی حصولِ مقصد کے لئے ایسے تدابیر و اسباب اختیار کرتی ہے، جو اس مقصد تک پہنچنے مین ممد و معین ہوتے ہین، اور مناسب حال اسباب کا انتخاب ایک ایسے نظام کا خاکہ پیش کر دیتا ہے، کہ انسان اُسے دیکھ کر وجد کیا کرے، مآل رسی چونکہ ایک صعودی عمل ہے، اور اس لئے میکانکی محاورہ مین گویا کشش ثقل کے قانون کی خلاف ورزی ہے، اس لئے وہ کوئی خوشگوار عمل نہین ہو سکتا، زینہ پر چڑھنا مشکل اور اس لئے تکلیف دہ لیکن اترنا آسان اور اس لئے خوشگوار ہوتا ہے، اس قیاس پر علم کی ہر بلندی پر رسائی مستلزم الم ہے، اور مآل رسی جو مرادف ہے کائنات عالم کی حقیقت رسی سے، اس سے مستثنیٰ کس طرح ہو سکتی ہے، بلکہ جیسا اوپر کسی مقام پر اشارہ کیا گیا ہے، علم اور الم کے ڈانڈے اس قدر ملے ہوئے ہین، کہ فہم انسانی منزلِ علم تک، الم کے گذرگاہ ہی مین ہو کر پہونچ سکتی ہے،

اس لحاظ سے، مآل کے خصوصیات مین تنظیم و تعلیل کے اوپر الم کا اضافہ بھی کر لینا چاہئے، اور حقیقتِ کائنات

اگر مآل ہے تو اس کے معنی رنج و محن بھی ضرور ہین، لیکن مآل کے تجزیہ سے ہم کو صرف یہ معلوم ہو سکا کہ کائنات کی ساخت جس شے سے ہے اس کا نام مآل ہے، یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ مآل کا ہیولیٰ کیا ہے، آیا مآل بھی اپنی آخری تحلیل مین کسی دوسری لطیف تر شے سے مرکب ہے، یا وہ عقل انسانی کی آخری حد اور کائناتِ عالم کا جزو لا یتجزیٰ ہے،

اوپر ہم نے مآل کے خصوصیات تعلیل اور الم بیان کئے، جن کا مستقر مسلمہ طور پر زمان ہے، اس لئے کہ تواتر و توالی زمان ہی کی مسلمہ شکلین ہین، اور کیفیاتِ ذہن کیا الم کیا لذت، اپنی روانی کے لحاظ سے سر تا سر زمان ہی ہین، فرق اتنا ہے، کہ لذت شاید وقت سے اس قدر دور ہے کہ اس کو وقت چھوٹا معلوم ہوتا ہے، بخلاف اس کے الم وقت سے اس قدر قریب ہے، کہ وقت بہت بڑا معلوم ہوتا ہے، عیش کی گھڑیان باتون باتون مین ختم ہو جاتی ہین، جشن و سرور کے کیفیات مین وقت گذرتا معلوم نہین ہوتا، مگر رنج و غم کے عالم مین منٹ، گھنٹے اور گھنٹے دن معلوم ہوتے ہین، وقت کاٹے نہین کٹتا، معلوم ہوتا ہے، وقت ساکت و قائم ہے، حرکت کا عدم شعور بالعموم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم کسی متحرک شے کے قلب مین داخل ہو جائین، چنانچہ چلتی ہوئی ٹرین ہم کو ساکت اور درخت بھاگتے ہوئے نظر آتے ہین، زمین کی حرکت کا ہم کو تمام عمر احساس ہی نہین ہوتا، یہان تک کہ اس کا علم محض قیاسی درجہ رکھتا ہے، اس لئے شبہہ ہوتا ہے کہ کیفیتِ الم شاید عین قلبِ زمان مین واقع ہے یا بالفاظ دیگر شاید خود قلبِ زمان ہے، پچھلی صحبت مین ہم نے الم کو شعور اور علم اور ابھی ابھی مآل سے اس قدر وابستہ پایا تھا، کہ اس کو ان سب کے لئے ایک قابلِ اعتماد نشان بلکہ دلیلِ راہ قرار دیا تھا، لیکن وقت کے ساتھ بھی الم کا تعلق ایسا ہی راسخ معلوم ہوتا ہے، کہ یہان پر شعور، علم، مآل، اور زمان کے باہم دگر ہم جنس یا پھر ایک ہی شے کے مختلف نام ہونے کا شبہہ ہونے لگتا ہے، جس کی تحقیق کے لئے وقت کی ماہیت پر تبصرہ ضروری معلوم ہوتا ہے،

(باقی)

نامۂ نامی

از

جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڑھی

عربی اور فارسی ادبیات مین فن انشا، ایک مخصوص ادبی شعبہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسلامی حکومتون مین دارالانشا، کا ایک خاص محکمہ ہوتا تھا، جس مین بڑے بڑے قابل ادیبون اور انشا پردازون کا تقرر ہوا کرتا تھا، عربی اور ایرانی سلاطین کے دربارون مین اس محکمہ اور اس کے افسر کی ایک خاص سیاسی اہمیت ہوتی تھی، جس کے نقوش قلم بعض اوقات ملکون اور سلطنتون کی قسمت کا فیصلہ کر دیا کرتے تھے، اگرچہ سیاسی اور ملکی ضرورتون نے اس فن کی بنیاد ڈالی تھی، اور عموماً اس سے یہی کام لیا جاتا تھا، لیکن آگے چل کر اس فن نے ادبی حیثیت اختیار کر لی، چنانچہ بڑے بڑے نامور انشا پردازون نے اس پر بکثرت کتابین لکھی ہین، جن مین اصلی مکاتیب یا ان کے نمونے درج کئے گئے ہین، اور مدت دراز تک یہ کتابین ہمارے مدارس مین داخل درس رہی ہین،

فارسی زبان کے فن انشا، مین ایران اور ہندوستان مین بکثرت مجموعے تیار کئے گئے، جن مین سے اکثر نے نصابی درجہ حاصل کر لیا ہے، ہندوستان کے عہد مغلیہ مین ایرانی اور ہندی ادیبون کے منشآت بکثرت ملتے ہین، لیکن اس عہد کے ابتدائی زمانے کی منشآت پر بہت کم کتابین ملتی ہین، اس اعتبار سے بابر اور ہمایون کے عہد مین لکھے ہوئے ایک مجموعۂ انشا کا ذکر

دلچسپی سے پڑھا جائیگا،

غیاث الدین محمد بن ہمام الدین معروف بہ خوندمیر[1]، صاحب روضۃ الصفا میرخوند کے نواسے (بھانجی کے بیٹے) تاریخ حبیب السیر کے مصنف، فارسی کے مشہور مؤرخ، ادیب اور انشا پرداز تھے، ۸۷۹ھ مین ہرات مین پیدا ہوئے، ترک سلاطین اور مغلون کے دربار مین میرمنشی اور مورخ کی حیثیت سے ملازم رہے، آخر مین بابر اور ہمایون کے دربارون مین بڑی عزت سے بسر کی، اور ۹۴۲ھ مین بعمر ۶۰ سال دہلی مین وفات پائی، اور اپنی وصیت کے مطابق حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا اور حضرت خواجہ امیر خسرو قدس اللہ سرہما کے مزارات مقدسہ کے قریب مدفون ہوئے، متعدد تصانیف یادگار چھوڑین جن مین سے صرف بارہ کتابون[2] کے نام تذکرون مین ملتے ہین، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہون گی، جن کا آج پتہ نہین ملتا، ان کی تصنیف سے فن انشا مین ایک رسالہ ہے، جس کا ذکر کسی تذکرہ نویس نے نہین کیا، اس کا نام نامۂ نامی ہے، اب تک اس کے صرف تین قلمی نسخے دریافت ہوئے ہین، ایک نسخہ کتبخانہ ملا فیروز (بمبئی) مین (جو اب کاما انسٹیٹیوٹ کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے) موجود ہے، اور ۱۱۶۰ھ کا لکھا ہوا ہے[3]، دوسرا نسخہ انڈیا آفس کے کتبخانہ

---

[1] ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھو، تحفۂ سامی ص ۸۴ مطبوعہ ایران، لطائف نامۂ فخری ص ۱۰۳ مطبوعہ لاہور، تذکرۂ طاہر نصرآبادی ص ۲۴۷ مطبوعہ ایران، ہفت اقلیم (در فہرست کتبخانہ کلیہ بمبئی ص ۱) ص ۲۴۴؛ فہرست ادبیات فارسی از براون جلد ۴ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ ص ۸۹۹؛ فہرست مخطوطات فارسی از ریو جلد اول ص ۹۶ تا ص ۹۸ ج ۳ ص ۱۰۶۲؛ تاریخ الیٹ ج ۴ ص ۵۰۴

[2] انکی تصنیفات کے نام یہ ہین (۱) مآثر الملوک (۲) خلاصۃ الاخبار (۳) مکارم الاخلاق (۴) دستور الوزرا (۵) اخبار الاخیار (۶) جواہر الاخبار (۷) غرائب الاسرار (۸) منتخب تاریخ وصاف (۹) نامۂ نامی (۱۰) روضۃ الصفا جلد ہفتم (۱۱) حبیب السیر (۱۲) قانون ہمایونی یا ہمایون نامہ، ان مین سے اب تک نمبر ۱۱ اور ۱۲ شائع ہو چکی ہین، ان کی تصانیف کیلئے ملاحظہ ہو کشف الظنون ج ۱ ص ۴۹۹، ص ۴۷۴، ص ۹۲۳؛ تاریخ الیٹ ج ۴ ص ۱۴۳؛ تاریخ ادب فارسی بعہد مغول از عبدالغنی ج ۱ ص ۹۷، ص ۱۴۳، [3] فہرست کتبخانہ ملا فیروز مرتبہ رہتسک،

مین نمبر ۲۰۵۵ پر ہے، تیسرا نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے خزانۂ مخطوطات مین موجود ہے، جو ۱۹۲ اوراق مین بخط نستعلیق ۱۱۰۵ھ کا مکتوبہ ہے،[1]

یہ کتاب نایاب ہے، انڈیا آفس کے کتبخانہ مین مخطوطہ کا ذکر کرتے ہوئے ایتھے نے بھی اس کو نایاب بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کا صرف واحد نسخہ انڈیا آفس مین ہے، (اس نے ایک اور ناقص نسخہ کا بھی ذکر کیا ہے جو نمبر ۱۶۷۲ پر موجود ہے) حالانکہ ان تین نسخون کے علاوہ ایک چوتھا نسخہ راقم کے کتبخانہ مین موجود ہے، جس پر یہان تبصرہ کرنا مقصود ہے،

ہمارے پاس "نامۂ نامی" کا جو مخطوطہ ہے، وہ ۱۱۰۹ھ کا لکھا ہوا، اور خط نسخ مین ہے، ۸۲ صفحات مین ۵ × ۸ کی تقطیع پر ہے، اس مین سے اوراق ۱-۲-۳۲ اور آخر مین سے بعض صفحات غائب ہین، کتاب کا سنہ تصنیف کہین لکھا ہوا نہین ہے، لیکن دیباچہ مین مصنف نے ذکر کیا ہے، کہ اس کی تصنیف کے وقت ان کی عمر ۴۶ یا ۴۷ سال سے متجاوز تھی، ۹۴۲ھ یا ۹۴۳ھ مین ان کی وفات ہوئی، اور ۶۴ سال کی عمر پائی، اس لحاظ سے اس کتاب کا سال تصنیف ۹۲۵ھ مین پڑتا ہے، سبب تالیف کے ذکر مین مصنف رقم طراز ہین:-

"بحسب مناسب ازلی، بلکہ بمحض ارادت لم یزلی، از مبادی سن رشد وتمیز تا غایت کہ سنین عمر عزیز از حدود اربعین و شش ہشت تجاوز کردہ ہموارہ بانشاء مولفات عزیب واملا منشآت بدیع مائل وراغب می بود، وہرگاہ از شواغل جزیل فراغتے دست می داد بسواد الفاظ وعبارات بلاغت آیات اشتغال می نمود، واین معنی بمثابۂ عادت طبیعت این بی بضاعت شد کہ باوجودیکہ درین ایام بواسطۂ نوایب روزگار وتفاوت لیل ونہار عناکب نسیان بر منا کب فن انشا تنیدہ، ودیدۂ بینا اجزاء آن را جز بر طاق فراموشی ندیدہ، این خیال در سر واین اندیشہ در خاطر پیدا شد کہ سطرے چند از مہانخانۂ ضمیر بر صفحۂ ظہور آورد، والفاظ دل پسند در شیوۂ ترسل بر صحائف خاطر نگارد،" (ورق ۴)

---

[1] اورنٹیل کالج میگزین فروری ۱۹۳۳ء ص ۸۶

اس کتاب کو مصنف نے ایک عنوان، ۹ سطر اور ایک تتمہ پر تقسیم کیا ہے، پھر عنوان کی تقسیم دو لفظ مین کی ہے،

"لفظ اول در بیان بدایت ظہور انشاء وصنعت کتابت وذکر ابتداء مکاتیب باسماء اللہ تعالیٰ وبعضی دیگر از رسوم کتاب والمحل"

اس عنوان کے ماتحت کتابت کی ابتدا اور خطوط اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کی مختصر تاریخ ازروے روایات اسلامی بیان کی ہے، اس مین جن کتابون کے حوالے دیے ہین، ان کے نام یہ ہین:-

(۱) کتاب المعارف لابن قتیبہ

(۲) آداب الوزراء لاحمد بن جعفر بن شادان

(۳) شرح دیوان حضرت علیؓ از قاضی کمال الدین امیر حسین یزدی،

(۴) تاریخ حافظ ابرو،

لفظ دوم کا عنوان ہے، "در بیان ترتیب وتقسیم وتنمیم" یعنی طبقات انسانی کی ترتیب و تقسیم تین طبقات، اشرف، اوسط اور ادنیٰ مین کی ہے، اسی ترتیب سے ۱ تا ۴ سطر مین انھون نے ان طبقات کے لوگون کے نام سے مکاتیب کے نمونے لکھے ہین، اور سطر پنجم مین اعزہ اور احباب وغیرہ کے نام خطوط ہین، سطر ششم مین تہنیت نامے اور سطر ہفتم مین تعزیت نامے لکھے ہین، سطر ہشتم مین فرامین اور سطر نہم مین متفرق رقعات ہین، تتمہ مین رباعیات، قطعات، معمیات، تواریخ اور وقائع درج ہین،

عنوان کے لفظ اول مین مصنف نے آداب مراسلت کے سلسلہ مین تین چیزون کی مختصر تاریخ لکھی ہے:-

(۱) خط کے آغاز مین خدا کا نام لکھنے کا رواج

(۲) خط کی تحریر پر خاک چھڑکنے کا رواج

(۳) خط کے آخر مین مہر لگانے کا رواج

مصنف تاریخ حافظ آبرو کے حوالے سے لکھتے ہین، کہ سب سے پہلے جس نے خطوط کے شروع مین اللہ تعالیٰ کا نام لکھا وہ بہمن بن اسفندیار تھا، پھر لکھا ہے، کہ اہل عرب قبل از اسلام مکاتیب کے شروع مین "باسمک اللّٰھم" لکھا کرتے تھے، مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث بہ رسالت ہوئے تو آپ کے چار مکاتیب کے شروع مین باسمک اللّٰھم لکھا گیا،[1] اس کے بعد سورہ ھودؑ نازل ہوئی تو اس آیت بسم اللّٰہِ مجریھا ومرسٰھا کی بنا پر باسمک اللّٰھم کی بجائے لفظ بسم اللّٰہ لکھنے لگے، پھر سورہ بنی اسرائیل نازل ہوئی تو اس کی آیۃ قل ادعوا اللّٰہ اوِ ادعوا الرحمٰن پر سے الرحمٰن اور سورہ نمل کے نزول کے بعد آیۂ انہ من سلیمان وانہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کے تتبع مین رحیم کا اضافہ کرکے بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم لکھنے لگے،[2] پھر ایک مدت کے بعد اس مین اختصار کیا گیا اور خطوط کی نوعیت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نامون کو خطوط کی پیشانی پر لکھنے لگے، مثلاً فتح نامون مین ھوالفتاح، تعزیت نامون مین ھوالقیوم لکھا جانے لگا، اور آگے چل کر اس قدر اختصار ہونے لگا کہ اکثر مکاتیب مین صرف لفظ "ھو" کے سوا کچھ بھی نہ لکھا جاتا تھا،

لفظ اما بعد جو خطوط مین لکھا جاتا ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہین کہ اس کی اختراع کعب بن لوی بن غالب نے کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد عظام مین سے تھے،

---

[1] مکاتیب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مجموعہ حال ہی مین ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر حاجی محمد حمید اللہ صاحب حیدرآبادی نے شائع کیا ہے، اس مین جو مکاتیب چھپے ہین ان مین سے صرف ایک مکتوب کے شروع مین باسمک اللّٰھم لکھا ہوا ہے، (دیکھو مجموعۃ الوثائق السیاسیہ ص۱۲۲) غیر مسلمون کے جواب اور نومسلمون اور دستاویزون کے شروع مین باسمک اللّٰھم پایا جاتا ہے [2] یہ تمام تفصیل قلقشندی نے صبح الاعشیٰ مین مفصل طور پر لکھی ہے دیکھو اس کا مختصر ضوء الصبح المسفر ص۲۹۲،

اسی طرح خط کے آخر مین کاتب کا نام لکھنے کی ایجاد حضرت اُبی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ نے کی تھی، جو کاتبان وحی مین سے تھے، خطوط پر خاک چھڑکنے کی جو رسم ہے، اس کا سبب یہ ہے، کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی انصاری حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہین کہ آپ نے ارشاد فرمایا، اذا کتب احدکم فلیترب بہ فان التراب مبارک وھو انجح للحاجۃ،[1] مصنف آداب الوزراء کے حوالہ سے لکھتے ہین کہ "جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان معجز بیان سے اطراف کے فرمان رواؤن کے نام مکاتیب لکھے گئے، تو نجاشی کے مکتوب پر خاک چھڑکی گئی اور وہ بادشاہ عالیجاہ اس کو پڑھنے کے بعد مشرف بہ اسلام ہوا، اور کسریٰ کے خط پر اتفاق سے خاک نہین چھڑکی گئی تھی، چنانچہ وہ اس سعادت سے محروم رہا، اگر یہ روایت اور جو حدیث اوپر نقل ہوئی ہے، صحیح ہون تو حاجت برآری کیلئے خاک چھڑکنا لازم و واجب ہے"،

اسی طرح خط کے آخر مین مہر لگانے کا طریقہ بھی بقول مصنف عہد اسلام مین رائج ہوا، چنانچہ ۶ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین اطراف کو دعوت اسلام کے خطوط لکھنے کی فرمائش کی تو بعض صحابہؓ نے جو قیصر روم اور بعض بادشاہون کے دربارون مین جا چکے تھے، عرض کی کہ جس خط کے آخر مین مہر نہین ہوتی، سلاطین اس کا اعتبار نہین کرتے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسم شریف کی مہر بنوانے کا حکم فرمایا، اور انگشتری کے نگینہ پر محمد رسول اللہ[2] اور ایک روایت کے مطابق لا الٰہ الا اللّٰہ کندہ کرایا، اس کے بعد سے خلفا اور سلاطین اسلام نے اس کا اتباع کیا،[3]

---

[1] النہایہ لابن اثیر مین یہ حدیث اسطرح منقول ہے، اتربوا الکتاب فانہ انجح للحاجۃ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مکتوب بنام منذر بن ساوی کے عکس مین آخر مین جو مہر لگی ہے، اس مین محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے (دیکھو مجموعۃ الوثائق کے بالمقابل عکس مذکور) [3] دیکھو ضوء الصبح المسفر صفحات ۳۹۵، ۶، ۴۰، ۴۴۲، علی الترتیب، ما بعد خاتم اور تتریب کیلئے،

کتاب کے ضمن میں بعض مفید معلومات ملتی ہین، مثلاً ہر طبقہ کے لوگون کے القاب وآداب کے سلسلہ مین مصنف نے وزراء، مستوفی، صدر وغیرہ کے متعلق بعض ضروری معلومات مہیا کی ہین، مثلاً یہ کہ ان عہدون کی ابتدا کب سے ہوئی اُن عہدون پر کون کون مشاہیر فائز ہوئے، ساتھ ہی ان اصطلاحات کی تشریح بھی کر دی ہے، علاوہ ازین اس مین بعض تاریخی معلومات بھی ملتی ہین، اور اس لحاظ سے یہ کتاب بڑی اہمیت رکھتی ہے، مستشرق ایتھے کی رائے ہے کہ

"یہ کتاب بڑی تاریخی قدر وقیمت رکھتی ہے، اس لئے کہ اس کے اکثر خطوط اور رقعات وغیرہ جو خطوط نویسی کی مختلف اقسام کے نمونے ہین، مصنوعی اور فرضی نہین ہین، بلکہ خوندمیر کے زمانہ کے مستند دستاویز ہین"[1]

اس کتاب مین مصنف کا ایک مکتوب بنام بابر بادشاہ منقول ہے، جو بابر کے فرمان کے جواب مین لکھا گیا ہے، اور اپنے نہ آسکنے کا عذر پیش کرتے ہوئے، مصنف نے صحاح ستہ مین سے کسی کتاب کے ترجمہ کے چند اجزاء بابر کے نام پر معنون کرکے بھیجنے کا ذکر کیا ہے، بہت ممکن ہے کہ یہ کتاب جواہر الاخبار ہو جو نامۂ نامی سے پیشتر لکھی گئی ہو گی، اس خط سے جو مصنف کی انشاپردازی کا نمونہ ہے، بابر بادشاہ کے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے ہم اس کو درج ذیل کرتے ہین :-

در جواب فرمان ہمایون حضرت بادشاہی خلافت پناہی
ظہیر الدین محمد بابر لازال محمد دعا بلسان العبد والتحریر نوشتہ

فرمان ظفر نشان عالیجاہی   منشور جہان مطاع شاہنشاہی
چون مہر ز مادرج عاطفت کرد طلوع   شد موجب افتخار دولتخواہی

[1] فہرست مخطوطات فارسیہ ص ۱۳۹

نشانی بسان آفتاب تابان منور زاویۂ مہجوران خاکسار، دفرمانے مانند اختر نور افشان ضیابخش کاشانۂ بندگان ہمیقدار از لطف ہمایون وساعتے سعادت مقرون، از افق خلافت وسروری ومشرف عنایت وذرہ پروری طلوع نمودہ، ذہاب افتادہ را کہ جز وصول بدان آستان اقبال آشیان مرادی ندارد، بدست مرحمت از خاک بر داشت، واز دست رفتہ را کہ غیر مدح وثنائے خدام درگاہ سپہر احتشام[1]، سر دولت باوج عزت افراشت،

رباعی :- فرمان ہمایون تو مانند مہر   بر اوج کرم نقاب بکشود ز چہر
بر داشت بدست لطف از خاک مرا   زانسان کہ ز فخر سود فرقم بسپہر

اشارتی کہ درباب توجہ این بے بضاعت بجانب درگاہ عالم پناہ مرقوم قلم عنایت گشتہ بود، چنان اقتضا نمود کہ فی الحال قدم از سر ساختہ بلکہ مدہوش وار سر از پای نشناختہ احرام طواف آن کعبۂ امانی وآمال بندد، ولیکن از ناتوانی پای در راہ نہادہ بعد از قطع بوادی بعاعدت سعادت سدہ سدیدہ منزل پیوندد، اما بواسطۂ بعضی از موانع کہ نواب کامیاب بعرض خواہند رسانید، روزی چند حصول آن مامول در حیز تاخیر افتادہ و ورقی چند کہ در ترجمۂ بعضی از صحاح اخبار سید اخیار صلی اللہ علیہ وسلم والہ الاطہار مرقوم خامۂ این شکستہ گشتہ، وعنوان آن از ذکر اسامی والقاب ملازمان بلند جناب در زیب وزینت از صحف سایر اہل فضل وشرف در گذشتہ، بنظر انور فرستاد امید آنکہ آن اجزاء بعین عنایت ملحوظ گردد واز حسن رعایت محظوظ، دام المطاع اعلیٰ وارفع" (ورق ۲۰-۱۹)

مصنف نے ہر خط کے شروع مین ایک ایک رباعی لکھی ہے، جو اُن کے اپنے بیان کے مطابق خود انہی کی ایجاد اور انہی کے نتیجۂ فکر سے ہے، چند رباعیان یہان نقل کی جاتی ہین،

۱- قاصد برمن نامۂ نامی آورد   نے نامہ کہ منشور گرامی آورد

[1] یہان سے کوئی فقرہ مثل کارے ندارد غائب معلوم ہوتا ہے،

از بہر سرافرازی ارباب نیاز بے شبہ نشان دوستکا می آورد

۲- آمد مرغی سفید از گلشن یار مکتوب بپالش خطی از مشک تتار

مضمونش آنکہ باز اقبال ناز شد صید ہمای بخت آن شیر شکار

۳- ای گشتہ کمیت قلمت خوش رفتار طے کردہ بساط نامہ را شوق آثار

بنمود چو آن نامۂ نامی دیدار کم گشت غم ہجر تو از دل بسیار

۴- از طرف چمن نسیم اقبال وزید وز گلبن امید گلِ لطف دمید

یعنی کہ ز حسن طالع و بخت سعید پروانۂ التفات عام تو رسید

۵- آن نامہ کہ بود غیرت مشک ختن پروانہ اقبال رسانید بمن

بکشود بر دی سینہ ابواب سرور بزدود ز آئینہ دل زنگِ حزن

ان اشعار سے مصنف کی قدرت شعر گوئی کا بھی اندازہ ہوتا ہے،

انعام فرحتؒ

فرحت میموریل پرائز

۱- یہ مقابلہ کل ہند حیثیت کا ہوگا، انعام کی صورت پانچ سو روپیہ نقد ہوگی،

(۲) ۱۹۴۷ء کے دوران میں جو کتابیں اردو ادب کی طبع ہوں وہ پیش ہوسکیں گی،

(۳) انعام کا تصفیہ ایک کمیٹی کریگی جو ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب، ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی اور مولوی فضل الرحمن صاحب پر مشتمل ہوگی، اس کمیٹی کے معتمد ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب ہوں گے،

(نوٹ) انعامی مقابلہ کیلئے کتب یا مسودات براہ راست ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب کے پاس باغ نانپخ، خیریت آباد، حیدرآباد دکن کے پتہ سے بھیجنے چاہئیں، نیز اسی پتہ سے فرحت میموریل پرائز کے تفصیلی قواعد بھی طلب کئے جاسکتے ہیں،

اسلامی نظریۂ اجتماع

از

مولوی حکیم حیدر زمان صاحب صدیقی پٹھان کوٹ

(۳)

انسان کو دو قسم کی ضرورتیں لاحق ہوتی ہیں، مادّی اور روحانی لیکن انسان کی عجلت پسندی اور غرض پرستی ہمیشہ مادی ضرورتوں کو روحانی ضرورتوں پر ترجیح دیتی رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ صرف اسی نقطۂ نظر کے تحت آج تک انسانی وحدتیں (یونٹیز) وجود میں آتی رہی ہیں، انبیاء و رسل اور اُن کے سچے متبعین کے سوا کسی نے ثانی الذکر ضرورتوں کا احساس نہیں کیا، اور ظاہر ہے کہ مادی ضرورتوں کا احساس جب حد اعتدال سے بڑھ جائے، یہاں تک کہ روحانی احساس اور اخلاقی تقاضے اس میں گم ہو کر رہ جائیں یا مادی ضرورتیں ثانی الذکر احساس پر غالب آجائیں تو اس حالت کو قرآن حکیم نے ہوائے نفس اور شہوات سے تعبیر کیا ہے،

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ
جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ
مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ
(بقرہ)

اے نبی! اگر آپ یہود و نصاریٰ کی مادہ پرستانہ خواہشات کی پیروی کریں گے، تو خدا کے مقابلہ میں آپ کا کوئی اور مددگار نہ ہوگا،

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ

ان کے بعد ایسے نالائق خلف پیدا ہوئے

اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات ۔ (مریم)

جھون نے فریضہ نماز (روحانیات) کو چھوڑ دیا، اور شہوانی خواہشات (مادیات) کے پیچھے پڑ گئے،

فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب یاخذون عرض ھذا الادنی ویقولون سیغفر لنا ۔ (اعراف)

ان کے بعد ایسے لوگ کتاب اللہ کے وارث بنے جو متاعِ دنیا پر ٹوٹنے لگے اور دعویٰ یہ کہ ہمیں ضرور بخش دیا جائے گا،

اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اوس نے مادیات اور روحانیات مین توازن قائم کر دیا، اور اس کے فلسفۂ اجتماع کے تمام اجزا سیاست و عمرانیت، اقتصاد و معیشت، تہذیب و تمدن اور مذہب و روحانیت باہم اس طرح مربوط ہین، کہ اُن مین سے ہر ایک کا اپنی جگہ پر قائم رہنا امن عالم کے لئے ازبس لازمی ہے، اور اگر اس نظام حیات کی کوئی کڑی اپنی جگہ سے ہل جائے، تو پوری انسانی زندگی مین اختلال و فساد کا رونما ہونا ضروری ہے،

لو اتبع الحق اھوائھم لفسدت السمٰوٰت والارض ومن فیھن ۔ (مومنون)

اگر حق (خدائی نظام حیات) اُن کی خواہشات اور خود ساختہ رسم و رواج کا تابع ہو جائے تو ساری کائنات کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے،

انبیاء و رسل کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ وہ زندگی کے منتشر اجزا مین ازسرِ نو ربط و نظم پیدا کرین اور انسانون کو افراط و تفریط کی راہون سے ہٹا کر نقطۂ عدل پر کھڑا کر دین،

لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت

ہم نے رسولون کو بین اور واضح دلائل

وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط ۔ (حدید)

کے ساتھ بھیجا، اور اُن کے ہمراہ کتاب اور میزان بھی اُتاری تاکہ انسان صراطِ مستقیم پر قائم ہو جائین،

بلکہ اسلام مین مقصود بالذات اِس عالم رنگ و بو سے ورا الوریٰ چند مابعد الطبیعاتی حقائق ہین جن کی تکمیل کے لئے عالم مادی محض واسطہ ہے، بالکل اس طرح کہ ایک معمار کو مکان کی تعمیر کے لئے چند مخصوص اوزار کی ضرورت ہے، اور یہ اوزار اصل مقصد کے لئے محض ذریعہ ہین، اور خود مقصود بالذات نہین، اب ظاہر ہے کہ مقصود بالعرض کو مقصود بالذات تصور کر لینے سے اجزاء حیات مین انتشار پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام اس بے ترتیبی اور بدنظمی کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہین کرتا، اور اس بنا پر وہ اقوام حاضرہ کے مادہ پرستانہ مناہج و طرق کی نہایت شدت سے مخالفت کرتا ہے، اور اُن کی جد وجہد حیات کو ضلالت و گمراہی قرار دیتا ہے،

ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا ۔ (کہف)

کیا ہم آپ کو اُن لوگون کی حقیقت بتائین، جو زندگی کی جد وجہد مین خسارہ اٹھا رہے ہین، یہ وہ لوگ ہین، کہ جن کی سعی و کوشش صرف مادی مقاصد مین گم ہو کر رہ گئی ہے، اور وہ یہی سمجھ رہے ہین، کہ ہم کامیابی کی منزل

اور صرف اسی پر بس نہین، بلکہ قرآن کریم اُن کے منافی فطرت عزائم کے ہلاکت انگیز نتائج سے اُن کو متنبہ کرتا ہے،

وکاین من قریۃ عتت عن

کتنی بستیان تھین جنھون نے اپنے پروردگار

اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا	اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی پس
حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا	ہم نے اُن کا سخت محاسبہ کیا، اور اُن کو
عَذَابًا نُّكْرًا (طلاق)	خطرناک عذاب میں ڈالا،
وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ	آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہے جب کہ وہ
الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ	ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے، اس کی پکڑ
اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ھود)	دردناک اور بہت سخت ہے،

کسی چیز کو اس کے اصلی مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھدینا ہی ظلم کہلاتا ہے، اور قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ بات اُبھری ہوئی نظر آتی ہے، کہ اقوام عالم کی تباہی و بربادی کا سبب تنہا ظلم ہی کو قرار دیا گیا ہے،

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا	ہم نے اُن قوموں پر ظلم نہیں کیا، بلکہ
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (نحل)	وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتی رہیں،

سیاست و معیشت اور اخلاق و تمدن کے قوانین طبعی میں شہوات نفسانی کو اس طرح داخل کر دینا کہ ان قوانین کا اصل منشا رکا لعدم ہو کر رہ جائے، ظلم کے مفہوم میں داخل ہے،

مسلمان کی نگاہ اوّلین اس عالم رنگ و بو کی رعنائیوں سے آگے نکل کر ایک دوسرے عالم جاودانی کا مشاہدہ کرتی ہے، اور مرد مومن کے لئے دنیاوی لذات و شہوات میں الجھنا اس کی حقیقی موت ہے، نسلیت، وطنیت، قومیت اور معاشی تقاضے اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے، بلکہ اس کی جدوجہد کا نقطہ، مرکز انسانیت کبریٰ کا منتہائے کمال ہے،

عقل خود بین دگر و عقل جہان بین دگر است
بال بلبل دگر و بازوے شاہین دگر است

دنیا کی غلاظتوں اور جسم کی راحتوں کے لئے لڑنا دوسری قوموں کا شعار ہے، اور مسلمان اعلاء کلمۃ الحق کے سوا کسی دوسرے مقصد کے لئے ایک قدم بھی نہیں اٹھانا چاہتا، بلکہ وہ زخارف دنیوی اور جاہ و اقتدار کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی اپنی شانِ استغنا کے خلاف تصور کرتا ہے، اور اس کا فقر غیور دنیا کی ہر چیز سے اسے بے نیاز رکھتا ہے،

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا	ہم نے اہل کفر کو دنیا کی زیب و زینت
بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ	کے جو مختلف النوع سامان دے رکھے
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ	ہیں، اے نبی آپ ان کی جانب نظر اٹھا
وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى	کر بھی نہ دیکھیں، ان چیزوں کے ذریعہ
(طٰہٰ)	ہم ان کا امتحان لینا چاہتے ہیں، آپ
	کے لئے آپ کے پروردگار کا رزق ہی

مگر اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے نظر حق شناس اور طبع ذوق آشنا کی ضرورت ہے، یہ مادہ پرست دنیا اس بادۂ رنگین کی سرمستیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتی ؎

ذوق این بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

اقوام حاضرہ کا جہاد قومی اور جہد ملی وطنیت کی چاردیواری میں محدود اور قوم و نسل کے علائق سے بندھا ہوا ہے، یا ان کے پیٹ کی کمینہ خواہشات انہیں جنگ و قتال پر آمادہ کرتی ہیں، بلکہ وطن، نسل، ثقافت، معاشی تقاضے اور اس قسم کے مادی اور عارضی تصورات ہی اُن کی ہیئات ترکیبیہ اور اجتماع و مدنیت کی تخلیق کرتے ہیں، اگر مسلمان ان چیزوں میں سے کسی کے لئے اپنے اندر کشش محسوس نہیں کرتا، اس کی قومیت کی بنا، وطنیت، قومیت، نسل اور معیشت کا صنم باطل نہیں بلکہ نظریۂ توحید و رسالت ہے،

از رسالت در جہان تکوین ما — از رسالت دینِ ما ایمانِ ما

مسکن یار است شہر یار من — پیشِ عاشق این بود حب الوطن (اقبال)

اس بنا پر مسلمان کا جہاد ملی بھی دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، مادی ضرورتوں کا احساس اُسے ہرگز جہاد و قتال پر آمادہ نہیں کرتا، اسے اگر اقتدار حکومت کی ضرورت ہے، تو صرف اس لئے کہ اس کے ذریعہ وہ دینی مقاصد کو بروے کار لا سکتا ہے، ورنہ حصولِ اقتدار بھی اس کے نزدیک صنم باطل بن کر رہ جاتا ہے،

الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ (آیہ)

اہل ایمان صرف اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور اہل کفر شیطان کی راہ میں،

عن ابی موسیٰ قال جاءَ رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول فان احدنا یقاتل غضباً و یقاتل حمیۃ فقالَ مَنْ قاتَلَ لِتکونَ کلمۃ اللہ ھی العلیاء فھو فی سبیل اللہ (بخاری)

ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم میں کچھ لوگ غضب و انتقام اور کچھ دوسرے قومی یا ملکی عصبیت کے لئے لڑتے ہیں، فرمایا، جو اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جہاد کرے گا صرف اسی کا جہاد، جہاد فی سبیل اللہ متصور ہوگا،

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے اس آیت قاتلوا حتی لا تکون فتنۃ کی تفسیر دریافت کی گئی، تو آپ نے مندرجۂ ذیل الفاظ میں "فتنہ" کا مفہوم و مصداق بیان فرمایا،

انما کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقاتل المشرکین وکان الدخول فی دینھم فتنۃ ولیس کقتالکم علی الملک. (بخاری)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے اس لئے جہاد کرتے تھے، کہ مشرکین کے دین میں داخل ہونا فتنہ تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح ملک کی خاطر نہیں لڑتے تھے،

غرض وطن ہو یا قوم نسل ہو یا قبیلہ خود ساختہ شعار قومی ہو، یا داعیۂ معیشت، ان میں سے ہر چیز اسلام میں محض ثانوی حیثیت رکھتی ہے، اور اصل مقصد کے لئے محض آلۂ کار کے طور پر کام آسکتی ہے، اگر اسے رکن اول کی جگہ دیجائے اور اصل مقصد کو پیچھے ڈھکیل دیا جائے، تو اسلامی فلسفۂ اجتماع کی پوری عمارت متزلزل ہو کر رہ جائے گی، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ہر وہ چیز صنم باطل ہے جو اسے اصل مقصد سے ہٹا کر اپنی جانب پھیر لے،

مگر اس سلسلہ میں اقوام حاضرہ کے نقطہ ہاے نظر بالکل الگ ہیں، جو چیز ہماری نظر میں سب سے آخر میں جگہ پاتی ہے، وہ اُن کی نظر میں سب سے اول مقام رکھتی ہے، بلکہ اُن کی نگاہ میں ان حقیر مادی مقاصد کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں، اُن کے فلسفہ ہائے اجتماع میں اخلاقی قیود و اقدار کے لئے کوئی جگہ نہیں، وطنی نسلی، قبیلوی عصبیت، اور معاشی محرکات ان کی قومیتوں کے بنیادی پتھر ہیں، مگر کون نہیں جانتا کہ یہی وہ چیزیں ہیں، جو امن عالم کے لئے مستقل خطرہ بنی ہوئی ہیں، اور موجودہ عالمگیر شورش و اضطراب کا سرچشمہ ہیں، کیونکہ یہی وہ تصورات ہیں، جو اخوتِ انسانی کو ہزارہا متضاد اور متخالف گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں، وطنیت کا اقتضاء یہ ہے کہ جغرافی حد بندیوں کے اعتبار سے سیکڑوں انسانی وحدتیں وجود میں آئیں، رنگ و نسل، رسم و رواج اور مخصوص تمدنی شعائر بھی اسی طرح نوع انسانی کو کئی متضاد قومیتوں میں تقسیم کرتے ہیں، اور داعیات معیشت کا بھی یہی حال ہے، کیونکہ ہر طبقے کا معاشی مفاد دوسروں سے نہ صرف الگ ہے

بلکہ اکثر حالات مین متصادم بھی ہوتا ہے،

غرض ان تمام داعیات کا ردّعمل نفرت وغیریت، حقارت وتذلیل، تسلط واستیلا، جلب دولت اور اقتصادی تفوق وبرتری کا حصول ہے، اور چونکہ ہر ایسی قومیت مین یہ کمینہ جذبات بڑی سُرعت سے پرورش پا رہے ہین، اس لئے اس کا قدرتی نتیجہ انسانون کے ان متخالف گروہون مین باہم ہلاکت انگیز طبقاتی تصادم کی شکل مین رونما ہو رہا ہے اور موجودہ شورش وبدامنی کا سبب یہی جذباتِ قومیت ہین، جو حریت ومساوات اور جمہوریت ڈیموکریسی کے خوبصورت الفاظ کا جامہ پہن کر نوعِ انسانی کی مشکلات مین اضافہ کر رہے ہین،

نیز زمانہ حاضر کے نظریہ ہائے اجتماع چونکہ صرف مادی ضروریات کی پیداوار ہین، اور اُن کا وجود وبقا ان مادی احساسات کا تابع ہے، اس لئے اُن کو کوئی پائدار حیثیت حاصل نہین، بلکہ احوال وظروف کے پیمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے چلے جاتے ہین، یہان تک کہ ان مادی احساسات کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم بھی ہو جاتے ہین، یہی وجہ ہے کہ اُن کے فلسفہ ہائے اجتماع کا کوئی معین دائرۂ عمل نہین، جو ان کے طرزِ اجتماع مین ربط وتسلسل پیدا کر سکے،

نیز وطنی، نسلی، ثقافتی اور معاشی قومیتین من کل الوجوہ باہم متغائر ہین، اور ان مین کوئی امر وجہ اشتراک نہین، ہر قومیت اپنے علیحدہ تشخص (جو اُسے ایک محدود خطہ ارضی مین بسنے یا لسانی اور معاشرتی خصوصیات یا رنگ ونسل کے علائق، یا معاشی مقتضیات کی وجہ سے حاصل ہے) کے تحفظ وبقا ہی کو زندگی کا آخری نصب العین تصور کرتی ہے، اور ہر اُس جدوجہد کو وہ اپنے لئے ذریعۂ نجات تصور کرتی ہے، جو ان ناپائدار احساسات کو اُبھارنے اور اُن عارضی قومیتون کی برتری کے لئے عمل مین لائی جائے، چنانچہ دورِ حاضر کی تمام قومیتون کا یہی حال ہے، ایسی حالت مین کوئی ہمہ گیر صداقت (یونیورسل ٹروتھ) اُن کے مدنظر نہین ہو سکتی، اور نہ ہی یہ قومیتین ان عالمگیر صداقتون، اور

انسانیتِ مطلقہ کے مقتضیات کی جانب توجہ دے سکتی ہین،

اسلام ایک ایسے طرز اجتماع وتمدن کا بانی ہے جس کی عمارت پائدار، مضبوط، اور مستقل بنیادون پر قائم ہے، یعنی اسلام کا نظام اجتماع جن تصورات پر مبنی ہے، وہ ازلی اور ابدی حقائق ہین، کہ رنگ ونسل کے ناپائدار علائق، وطنیت کی مصنوعی حدبندیان اور معاشی تقاضے اُن پر اثر انداز نہین ہو سکتے، اور نہ ہی زمانہ کے تغیر وانقلاب کو ان مین کوئی دخل ہے،

اقوامِ حاضرہ کا نظامِ فکر اور دستورِ اخلاق خارجی حالات اور کائناتی تغیرات کے ساتھ جکڑا ہوا ہے، معاشرہ اور طرزِ اجتماع کی انقلابی حالتون کے ساتھ ساتھ ان کا فکر وذہن بھی بدلتا چلا جاتا ہے، چنانچہ موجودہ مفکرین نے اس نظریہ کو مستند تسلیم کیا ہے، کہ دماغ ایک آلۂ خیال ہے، اور اس کی ہر داخلی کیفیت خارجی اثرات کا نتیجہ ہے، گویا اُن کے نزدیک ذہنی اور فکری ارتقاء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کی اندرونی قوتین بیرونی احوال ونتائج کی پابند اور تابع ہو جائین، چنانچہ ماہر حیاتیات ہربرٹ سپنسر نے اخلاقیات کی تعریف یہ کی ہے، کہ وہ کام اخلاقی ہے جو انسان کی داخلی کیفیات کو خارجی احوال وخطرات پر منطبق کرنے مین مدد دے،

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانون کے خارجی حالات اگر عالم انسانی کو تباہی وبربادی کی طرف سے جا رہے ہون تو فکر وذہن کی قوتین بھی ان حالات کے ساتھ مل کر تباہی کو قریب تر لانے مین مدد دین، تاکہ دماغ کی اس اطاعت شعاری کو اخلاقیات کے دائرہ مین موزون جگہ مل سکے،

اسلام کا نقطۂ نظر اس بارے مین اس کے بالکل برعکس ہے، یعنی اسلام کے الہیاتی نظریے ایک مخصوص طرز تمدن اور دستور اخلاق کی تخلیق کرتے ہین، اور ان نظریات کی ارتقائی حرکت پذیر کے ساتھ ساتھ اجتماع وتمدن اور اخلاق کے دوائر بھی بدلتے جاتے ہین، یعنی فکر وذہن کی ترقی حالتون کا اثر انسان کے ظاہری اعمال پر پڑتا ہے، اور ایمان ویقین مین جس قدر قوت واستحکام

پیدا ہوتا ہے اتنا ہی انسان کے اعمال مین حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوتی چلی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ
قرآن حکیم نے ایمان کو ہر جگہ عمل صالح سے مقدم رکھا ہے، اور ایمان باللہ کو پورے نظام فکر و عمل
کے لئے مرکز و محور قرار دیا ہے،

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى	مرد ہو یا عورت جو بھی نیک کام کریگا
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً	بشرطیکہ وہ مومن ہو اس کی زندگی کو
طَيِّبَةً (آیہ)	ہم نفیس اور پاکیزہ کر دین گے،
عن سفیان ابن عبد اللہ	راوی نے سوال کیا، یا رسول اللہ!
الثقفی قال قلت یا رسول اللہ	مجھے آپ اسلام مین کوئی ایسی بات
قل لی فی الاسلام شیئا لا اسئل	بتائین کہ آپ کے بعد مجھے کسی دوسرے
عنہ احدا بعدک قال قل	سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے، فرمایا
آمنت باللہ ثم استقیم	کہو "آمنت باللہ" اور پھر اس پر
(رواہ مسلم)	مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ،

غرض اسلام مین اجتماع کے تمام شعبے خواہ وہ خارجی ہون، مثلاً سیاست، معیشت اور
معاشرت جن کا عام نام تمدن ہے یا داخلی ہون جیسے نظام تعلیم دستور اخلاق اور ادب و آرٹ جو
تہذیب کے دائرہ مین آتے ہین، سب الٰہیاتی تصورات یعنی ایمان باللہ کے تابع ہین،

اعلان

خط و کتابت یا چندہ بھیجتے وقت مراسلہ یا کوپن پر نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کرین
ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ عائد ہوگی،
منیجر

تلخیص و تبصرہ

ارتقار کا ایک نیا نظریہ

از

جناب خواجہ احمد فاروقی ایم۔ اے۔ لکچرار اینگلو عربک کالج دہلی

ڈارون کے نظریہ ارتقار کے فروغ پاتے ہی لامذہبیت کا سیلاب امڈ آیا، لوگ انسان
کو محض "حیاتیاتی حادثہ" سمجھنے لگے، انسانی روح اور نیک و بد کی امتیازی قوت کا انکار عام ہو گیا،
زندگی مقصد و مفہوم سے عاری سمجھی جانے لگی، اور متشککین کو یقین ہو گیا، کہ سائنس کی ضرب کاری
سے اب مذہب جانبر نہین ہو سکتا،

لیکن مشہور ماہر حیاتیات Dr. Lecomte du Nouy نے حال مین
ایک نیا نظریہ ارتقار پیش کیا ہے، جس کی رو سے پرانے معتقدات مین پھر نئی سی قوت اور
توانائی پیدا ہو گئی ہے، ڈاکٹر لی کامتے دی نووے کا تعلق راک فلر انسٹی ٹیوٹ اور Pasteur
انسٹی ٹیوٹ دونون سے رہا ہے، اس کی کتاب تقدیر انسانی (Human Destiny) حال
مین شائع ہوئی ہے، ذیل کے خیالات و نظریات اسی سے ماخوذ ہین،
ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے، کہ سائنس مکمل علم نہین ہے، اس مین غلطی کا امکان ہے،

اسلئے ہم اس پر کامل بھروسہ نہین کر سکتے، دنیا کی ہر چیز کے متعلق ہمارا علم ناممکل ہے، حد یہ ہے، کہ ہمارے حواس خمسہ ناقص ہین، اور ہمارے آلات ان سے زیادہ ناقص، پھر ایک عجیب بات یہ ہے کہ ہم حقیقت کو نہین دیکھ سکتے، میدہ اور کالک کو اگر ملا یا جائے تو بھورے خاکستری رنگ کا ایک سفوف سا بن جاتا ہے، لیکن اس سفوف کا باریک کیڑا جو صرف خوردبین ہی سے نظر آسکتا ہے، اس کو کچھ سیاہ اور سفید رنگ کی چٹان سمجھتا ہے، اس کے مشاہدہ کے پیمانہ مین خاکستری سفوف کوئی چیز ہی نہین، اسی طرح اس کائنات کے جتنے حقائق ہین، وہ سب اضافی حیثیت رکھتے ہین، لطیفہ یہ ہے کہ اس کائنات کا پیمانہ بھی ہماری سمجھ سے بالاتر ہے،

موجودات کی وسعت اور پہنائی پر غور کیجئے، اور پھر اس بات پر کہ سائنس نے انسان کو علم کے چند کھلونے دیدیئے ہین، لیکن وہ اپنے ذہنی افلاس کی وجہ سے ان ہی کو اصل سمجھتا ہے، حقیقتون پر پردے پڑے ہوئے ہین، اور انسان نے ان پردون کے نقش ونگار کو حقیقت سمجھ رکھا ہے، ہم جس کرہ پر رہتے ہین وہ ....۲ برس پرانا ہے، اسی اسٹیج پر انسانی ارتقا کا ڈرامہ کھیلا گیا ہے، لیکن یہ کسی کو نہین معلوم کہ یہ پردہ کس طرح اٹھا، زندگی کس طرح شروع ہوئی، اور ریڑھ کی ہڈی والے جانور کس طرح پیدا ہوئے؟ ہم اور آپ ان ہی جانورون کی اولاد بتائے جاتے ہین،

غرض ارتقا کا سارا افسانہ اسی قسم کے مستبعد اور بعید از قیاس اسرار سے معمور ہے مثلاً ارتقا مین ایک منزل وہ آتی ہے، جب زندگی نے پیدائش اور افزائش کا طریقہ بدل دیا، برس ہا برس تک نخزمائی خلیے الگ ہوتے رہے، ٹوٹتے رہے اور بڑھتے رہے، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ ان کو دوامی زندگی حاصل ہے، لیکن دفعۃً اور پر اسرار طور پر ایک نیا طریقہ وجود مین آیا، جس کو افزائش کا جنسی طریقہ کہا جاسکتا ہے، کتنی عجیب بات ہے، کہ جنس کے ساتھ

ساتھ موت کو بھی زندگی مین درخور حاصل ہوگیا،

ارتقا کے متعلق یہ پانچ باتین ایسی ہین جن سے انکار ممکن نہین،

(۱) زندگی بالکل سادہ اور آسان صورتون مین شروع ہوئی،

(۲) رفتہ رفتہ زیادہ پیچیدہ اور ترقی یافتہ صورتین وجود مین آئین،

(۳) اس برسہا برس کے عمل کا نتیجہ انسان ہے، جس کو عقل کی دولت عطا کی گئی ہے،

(۴) پھر انسان مین تجریدی Abstract خیالات پیدا ہوگئے،

(۵) اس کے بعد دنیا کے مختلف گوشون مین از خود اخلاقی اور روحانی خیالات رونما ہوگئے،

یہ سب کچھ کیون ہوا؟ ہم نہین بتلا سکتے، ان مین ایک بات کی بھی تشریح سائنس کے رو سے نہین ہو سکتی، ناچار ہم نے کچھ مفروضات قائم کئے ہین، کبھی کبھی فرضیہ قائم ہی کرنا پڑتا ہے، آئن سٹائن نے بارہ سے زیادہ مفروضے قائم کئے ہین، لیکن اسی کی تحقیق کا بالآخر یہ نتیجہ ہوا، کہ ہمین جوہر کی قوت معلوم ہوئی، دونوئے نے بھی مفروضہ قائم کیا ہے، وہ کہتا ہے، کہ ارتقا کی داستان مین بہت سے اخلاقی مقاصد پوشیدہ ہین یہ کائنات یون ہی وجود مین نہین آگئی، اس مین تخلیق، نازک کاری، اور چابک دستی کا پورا کمال جلوہ گر ہے، اب تک مادیین یہ کہتے تھے، کہ یہ جو کچھ ہوا، اتفاقی طور پر ہوا، ان کے نزدیک اتفاق کو ہر فانی چیز پر پوری دسترس حاصل ہے، لیکن دونوئے کہتا ہے، انسان آزاد ہے، اس کو اختیار ہے، وہ اپنی عقل حیوانی کی پیروی کرے جس سے اس کو جسمانی یا مادی خوشی حاصل ہوتی ہے، یا ایک دوسرے قسم کے مقصد کی جستجو مین لگا رہے، اس دوسرے مقصد تک پہنچنے کے لئے اس کو اپنی حیوانی جبلتون سے لڑنا پڑتا ہے، اس مقابلہ مین اس کو تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے، لیکن کچھ لوگ اس تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے ہین، نیک وبد کی یہ تمیز اور عمل کا یہ اختیار صرف انسان کو دیا گیا ہے، بہت

سے لوگ پہلے راستہ اختیار کرتے ہین، اور بہت کم دوسرا، لیکن یہ تھوڑے ہی سے لوگ ہین جنھون نے جریدۂ عالم پر اپنا نام ثبت کر دیا ہے، اور ارتقا کے میدان مین کارہائے نمایان دکھلائے ہین، یہ "غیر مقلد" قسم کی اقلیت ایک ایسی ہستی کی پیروی کرتی ہے، جو نظر نہین آتی لیکن بے صداقت اور رحمت والی ہے،

پہاڑون کی چوٹیون کی برف پگھل پگھل کر آبشارون اور دریاؤن مین تبدیل ہو جاتی ہے، ان کا بہاؤ کشش ثقل کی وجہ سے، نیچے کی طرف کو ہوتا ہے، لیکن ارتقا مین زندگی کا بہاؤ اوپر کی طرف کو ہوتا ہے، اس مین بھی کشش کا ایسا ہی اصول کارفرما ہے، پہلے بے شکل مادہ تھا، اس کے بعد انسان وجود مین آیا، جس کے پاس عقل اور ضمیر کی دولت تھی، اس سے بڑا ثبوت زندگی کے مائل بہ فراز ہونے کا اور کیا ملے گا ؟

ارتقا کی بلندیان طے کرنے مین اتفاق کا پیرہن اس طرح چاک چاک ہوا ہے کہ بہت سے مالی مادہ پرستون کو بھی کسی نامعلوم قوت کا اعتراف کرنا پڑا، انھون نے اس کا نام خدا نہین رکھا، "اتفاق شکن" Anti-Chance رکھا ہے،

.........اب سے پہلے جب انسان سوچنے کی قوت سے محروم تھا، زندگی صرف بقا کے خیال پر سہارا لئے ہوئے تھی، اس کے بعد کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے، جن کو نیک و بد کا فرق معلوم تھا، اور اس کی خاطر وہ اپنی جان بھی دے سکتے تھے،

اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک غیبی آواز ان سے یہ کہہ رہی ہے،

اب تک تم نے بیدائش و خورش ہی سے تعلق رکھا، تم مار سکتے تھے، تم کھانے اور عورتون کو چرا سکتے تھے، صرف عقل حیوانی کی تقلید تمھاری زندگی کا مقصد تھا، لیکن اب تم ان جبلتون کے خلاف لڑو گے، تم قتل نہین کرو گے، چوری نہین کرو گے، تم اسی وقت

اطمینان سے سوؤ گے، جب تم اپنے اوپر قابو پا لو گے، تم تکلیف اٹھاؤ گے، اپنی جان دو گے، لیکن اپنے نصب العین کو نہین چھوڑو گے، اب تمہارا مقصد محض کھانا اور پینا نہین ہے،

ارتقا کا خاتمہ انسان پر نہین ہوا، وہ صرف ایک درمیانی منزل کو ظاہر کرتا ہے، جو ماضی و مستقبل کے بیچ مین ہے، مستقبل کا انسان تخریبی جذبات و ہیجانات سے بالکل آزاد ہوگا، جسم کی مسرتین اسے ضرور حاصل ہون گی، لیکن جسم کی اس پر حکمرانی نہین ہوگی،

مستقبل کا ارتقا، اچھے لوگون سے وابستہ ہے، لیکن سوال یہ ہے، کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا، مادیین اچھے اور برے کے وجود ہی سے انکار کرتے ہین، دو نوئے نہ صرف ان کے وجود کا قائل ہے، بلکہ ان کی تعریف بھی کرتا ہے،

ارتقا کے دوران مین دو قسم کے ذی روح پائے گئے ہین، اچھے اور برے، یا ارتقائی اور مطابقت پذیر، موخر الذکر نے ہمیشہ مصلحت کا خیال رکھا ہے، ضرورت کے وقت صلح کر لی ہے، یا اپنے آپ کو حالات اور ماحول کے مطابق بدل لیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس کے جانورون کی ترقی بند ہو گئی، لیکن ارتقائی مخلوق نے اپنی آزادی اور تخریبی جذبات سے علیحدگی کو عزیز رکھا، یہ مخلوق ضدی اور باغی قسم کی ہوتی ہے، مطابقت پیدا کرنے کے بجائے اس کی نشو و نما کسی بہتر اور افضل صورت مین ہو جاتی ہے، ان مقاصد کے تضاد اور تصادم سے دو نوئے نے اپنا نظریۂ خیر و شر مرتب کیا ہے،

انسان پہلے طبعی، کیمیاوی اور حیاتیاتی قوانین کا غلام تھا، اب وہ ناسمجھ ایکٹر کی طرح کام کرنا نہین چاہتا، وہ ہر چیز کو سیکھنا اور سمجھنا چاہتا ہے، وہ جمالیاتی خیالات جو اس کے ذہن مین موج زن ہوتے ہین، ان کی وہ صورت گری کر سکتا ہے، صرف اشتہا کی تسکین اس کا مقصد نہین رہا،

انسان ابھی بڑی حد تک حیوان ہی ہے، لیکن اس کے نومولود ضمیر کی انقلاب آفرین آواز نظام کہن مین ہلچل پیدا کر دیتی ہے، اور نئے نظام کی تخلیق مین مدد دیتی ہے، اس نئے نظام کو قبول کرنے یا مسترد کرنے کا اسے پورا حق حاصل ہے، خودی کی تکمیل کے معنی یہ ہین کہ انسان نیک و بد مین پوری طرح امتیاز کر سکے، شر کو چھوڑ کر خیر کا راستہ اختیار کر سکے، انسانی عظمت کا معیار اور ارتقا کا مقصد یہی ہے، خیر، انسانی شخصیت کا احترام ہے، اور شر اس کی توہین،

دو نوئے کے نزدیک فرد نوع سے زیادہ اہم ہے، اچھے آدمی کم ہین، لیکن وہی ارتقا کے اصلی نمایندے ہین، اور مستقبل کے روحانی طور پر مکمل انسانون کے حقیقی پیشرو، اس طرح کے لوگ کب پیدا ہون گے؟ یہ گوہر مقصود کب حاصل ہوگا؟ کیا اس کے لئے پھر ۲۰ کھرب سالون کی ضرورت ہے، دو نوئے کہتا ہے، نہین، اگر انسان اپنی ذہنی قوتون سے کام لے تو وہ برسون کی راہ منٹون مین طے کر سکتا ہے، پرندون کو اپنے پر پیدا کرنے مین صدیان لگی تھین، لیکن انسان نے تین نسلون مین پرواز سیکھ لی، اب اس کے ہوش و خرد مین اتنا اضافہ ہوگیا ہے کہ وہ حد درجہ چھوٹی اور حد درجہ دور کی چیز کو دیکھ سکتا ہے، فاصلہ اب حلقہ بگوش ہے، اور وقت پابہ زنجیر،

بہت سے لوگ ہماری ایجادات و اختراعات کو تہذیب و تمدن کی نشانیان سمجھتے ہین، ہمارا مطمح نظر، انسانی آسایش کے بجائے، انسانیت کا احترام ہونا چاہئے، خرد اگر ضمیر کی ملامتون سے ناآشنا ہے، تو وہ خیر و شر کے انتخاب مین غلطی کر سکتی ہے، وہ صلح جوئی، عافیت پسندی اور مطابقت پذیری کے لئے مضطرب ہوگی، وہ کبھی بغاوت نہین کر سکتی، مقابلہ نہین کر سکتی، خوب سے خوب تر کی جستجو نہین کر سکتی، تنہا خرد، بڑی خطرناک چیز ہے، اسی نے اٹیم بمب بنایا ہے، اخلاقی اقدار اور عقل محض کے درمیان کشمکش بھی اسی وجہ سے ہے،

بدقسمتی سے بہت سے لوگ اب بھی انسان کو زیادہ پرشکوہ قسم کا جانور سمجھتے ہین، اسی لئے وہ ہمارے تمام مسائل کا حل حیوانی قسم کا تجویز کرتے ہین، سیاست کی دنیا مین وہ انسانون کی جمعیت بندی کیڑون کی طرح کرنا چاہتے ہین، ان کے یہان فرد کا مرتبہ زنبور نر سے زیادہ نہین ہے، اس کی مثالین آمرانہ نظام مین مل جائین گی،

ہمین انسانی شخصیت کا احترام کرنا چاہئے، انسان ارتقا کا نمایندہ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق مین سب سے اشرف ہے، ارتقا کے شروع مین ترقی صرف اللہ تعالیٰ پر منحصر تھی، لیکن اب خدا نے انسان کو ضمیر کی روشنی اور ارادہ کی آزادی عطا فرمائی ہے، اس لئے ارتقا مین اب انسان کی کوششون کو بھی دخل ہے،

یہ آزادی جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے، اتنی حقیقی اور اصلی ہے کہ ان حدود مین مطلق کسی قسم کی مداخلت نہین کی جاتی، جس قادر مطلق نے اس کائنات کو بنایا ہے، وہی اپنے قوانین کو سختی سے رائج کرتا ہے، ہمین فطرت مین جو بے ربطی نظر آتی ہے، وہ دراصل ہماری نظر کا قصور ہے، ابھی ہمین بہت سی منزلین طے کرنا ہین،

سطور بالا مین خدا کا اکثر ذکر آیا ہے، اس سائنسی دور مین ایک عام آدمی اپنی معمولی عقل سے خدا کا تصور کرنا چاہتا ہے، لیکن نہین کر سکتا، لیکن کیا ایک برقیہ electron کا تصور ممکن ہے؟ کسی سائنسدان سے پوچھئے وہ یہی کہے گا کہ برقیہ کا تصور ناممکن ہے، اسی طرح برقیہ کی تصویر بنانا بھی ممکن نہین ہے،

ایک سوال اور ہے، فرد کس طرح مستقبل کے ارتقا مین مفید ثابت ہو سکتا ہے، اس کا جواب صرف تعلیم اور ہمارے اسکول دے سکتے ہین، یہ انسانی ارتقا کے سب سے مفید ذریعے ہین،

ارتقا کا اصول بلندی کے لئے جد و جہد پر مائل کرتا ہے، یہ جد و جہد جاری ہے، فرق یہ ہے کہ اب

لڑائی، مادیت کے محاذ سے ہٹ کر روحانیت کے محاذ پر شروع ہو گئی ہے، ایزدی شمع کا نور ہمارے سینہ مین جاگزین ہے، ہم چاہین تو اسے قائم رکھین، چاہین تو ختم کر دین، لیکن یہ بڑی دولت ہے، اور اس کے قائم رکھنے ہی مین ارتقا کا راز پوشیدہ ہے،

حیاتِ شبلی

(حصۂ اوّل)

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحمری نہین ہے، بلکہ اس مین ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، ادبی، اصلاحی اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصّل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت، اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علمار کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین ضمناً ان تعلیمی ادارون کی جن سے مولنا کا تعلق رہا ہے مجمل تاریخ بھی آگئی ہے، اس کی ضخامت [illegible] نہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہین، جس مین دار المصنفین، ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اور شبلی کالج کی عمارتون کے تیرہ ہاف ٹون بلاک فوٹو بھی شامل ہین، کاغذ اور طباعت اعلیٰ،

قیمت:۔ غیر مجلد، علاوہ محصول ڈاک، صرف آٹھ روپیہ، مجلد لعہ

استفسار و جواب

طبلہ اور ستار کی ایجاد اور امیر خسرو

میر مقصود علی خان برمکان میر مظہر علی خانصاحب ایڈوکیٹ کٹل منڈی حیدرآباد دکن } ایک واقعہ جو امیر خسرو کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اس کی بابت آپ کی تحقیق دریافت کرنی ہے، اسی لئے یہ عریضہ آپ کی خدمت مین روانہ کیا گیا، کہ آپ اگر مناسب سمجھین، تو معارف کے ذریعہ جواب دین تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے مستفید ہون،

کہا جاتا ہے کہ ستار امیر خسرو کی ایجاد ہے امیر خسرو کا پایہ بحیثیت ایک ولی کامل کے مسلّم ہے، پھر یہ سمجھ مین نہین آتا کہ وہ "ستار" جو غالباً از قسم مزامیر ہے اس کی ایجاد کر کے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل کرین گے،

"آج کل" مورخہ یکم دسمبر ۱۹۲۶ء میں شاہد احمد صاحب (مدیر ساقی) نے اپنے مضمون ہندوستانی موسیقی کے ساز مین لکھا ہے، کہ "ستار، طبلہ اور ڈھولک" سب امیر خسرو کی ایجادین ہین، بہرحال اُن کی بھی (یعنی طبلہ اور ڈھولک) کی تحقیق مطلوب ہے،

معارف:۔ [illegible] گرامی نامہ ملا [illegible] خیرت دے رہا ہون، وطن سے واپسی مین دیر ہوئی، امید ہے کہ معذرت قبول فرمائین گے، "آجکل" ہمارے یہان نہین آتا، وہ مضمون میری نظر سے نہین گذرا، بہرحال آپ کا استفسار ان آلاتِ غنا کی ایجاد کے متعلق ہے، جواباً عرض ہے، کہ ستار طبلہ وغیرہ کو

امیر خسرو کی طرف منسوب کرنا صحیح نہین ہے، یہ آلاتِ غنا عہدِ قدیم سے رائج ہین، اُن کا ذکر تفصیل سے زبور مین آیا ہے، ایک دو اقتباسات ذیل مین پیش ہین،

خدا کی حمد کرنے کی نصیحت مین ہے :-

"سر باندھ کے ایک گیت گاؤ، اور طبلہ اور خوش آواز بربط مین سمیت بجاؤ،"

(زبور، ۸۱، آیت ۲)

اسی طرح ہے :-

"وے اس کے نام کی ستایش کرتے ہوے ناچین، وے طبل اور بربط بجاتے ہوے اس کی ثناخوانی کرین، (زبور ۱۴۹، آیت ۳)

پھر آگے چل کر ہے :-

"اس کی ستایش کرو، اس کی بزرگی کی کثرت کے مطابق اس کی ستایش کرو، قرنائی پھونکتے ہوے اس کی ستایش کرو، بین اور بربط چھیڑتے ہوے اس کی ستایش کرو، طبلہ بجاتے ہوے اور ناچتے ہوئے اس کی ستایش کرو، تارون والے سازون اور بانسریون کو بجاتے ہوئے اس کی ستایش کرو، بلند آواز جھانجھ بجا کے اس کی ستایش کرو، خوش آواز جھانجھ بجا بجا کے اس کی ستایش کرو، ہر ایک چیز جو سانس لیتی ہے، خداوند کی ستایش کرے، خداوند کی ستایش کرو، (زبور، ۱۵۰، ایات ۱ تا ۶)

زبور کی مذکورۂ بالا آیتین آلاتِ غنا مین سے طبلہ اور ستار (تار والے ساز) کی قدامت پر شاہد ہین، اور اب اس باب مین کسی دوسری شہادت کی چندان ضرورت نہین، اُمید ہے کہ جناب کو تشفی حاصل ہوگی،

ہان امیر خسرو کی طرف موسیقی کے چند راگ اور راگنیون کی ایجاد کا انتساب صحیح ہے، وہ مشربًا

چشتی تھے، خواجگانِ چشت کے یہان سماع چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، خواجہ نظام الدین اولیا کو جو تعلق خاطر امیر خسرو سے تھا، وہ معلوم ہے، امیر خسرو نے تصوف مین جو مدارج طے کئے وہ اسی بارگاہ کا فیض تھا، اُن کے شعرون مین جو سوز و گداز تھا، اور جیسی بجلیان کوندتی تھین، وہ اسی وادی مین کی شرر باریان تھین، اس لئے امیر خسرو کی طرف موسیقی کے راگون کا انتساب اُن کے تقدس و تصوف کے منافی نہین ہے، اُن کا یہی کمال تھا جس سے اُن کے مرشد حضرت نظام الدین اولیا اُن کے گرویدہ ہوے، اور وفات کے بعد اپنے ہی پاس اُن کو جگہ دینے کی وصیت فرمائی، رحمہما اللہ تعالیٰ،

امیر خسرو کے راگ کے ایجاد کرنے کا تذکرہ ابوالفضل نے آئینِ اکبری مین کیا ہے، والسلام "س"

میرزا کامران اور اس کی اولاد

خان رحمت اللہ عبدالرشید خان
لیدر و جنٹ انڈرسن روڈ کوئٹہ

۱- مرزا یا شاہزادہ کامران کس قوم سے تھا،

۲- کامران خاص کر کس نسل سے تھا جس نسل سے کامران تھا، اس کا اصلی وطن کہان تھا،

۳- کامران کے کتنے لڑکے تھے، لڑکے ہوئے بھی ہین یا نہین، ان کے نام اگر معلوم ہون تو بتلائین،

۴- موجودہ زمانہ مین اگر ایک خاندان اپنے کو شاہزادہ خاندان اور سردارزادہ خاندان کے، جو کہ ہو بھی کامران کی اولاد سے، تو کیا وہ شاہزادہ یا سردارزادہ کہے جاسکتے ہین، کیونکہ یہان میرے افغان دوست مجھ سے اور جو لوگ اس خاندان سے تعلق رکھتے ہین، یہ کہا کرتے ہین کہ بابا ان کی شاہزادگی اور سردارزادگی تو اُن کے بزرگون کے ساتھ ختم ہوگئی، اب تم لوگ کیون اسی کو گائے جاتے ہو، اب تو تم صرف ہماری طرح کے سادہ لوگ ہو، نہ خان رہے، نہ سردار،

اب آپ ہی بتلادین کہ کیا واقعی وہ بچارے اپنے دادے یا پردادے کی طرح شاہزادہ یا سردار
یا سردارزادہ کا لقب نہین رکھ سکتے،

مین ان لوگون سے کہا کرتا ہون کہ تم افغان بہت ہی ...."

آپ ازراہ مہربانی کامران کا حال یعنی میرے استفسار کا جواب ضرور معارف کی قریبی اشاعت
مین دیدین، از حد مہربانی ہوگی، جانبے دین کی تو بہت کچھ خدمت کی، اب ایک ناچیز کی اس
درخواست کو بھی جو تاریخی ہے، قبول فرمادین، اور جواب معارف مین شائع فرمادین،
آپ کی اس نوازش کا تاحیات شکر گذار رہون گا، والسلام

معارف :- آپکے دونون خطاطے مصروفیتون کی وجہ سے فوراً جواب نہ دیسکا،

(۱و۲) آپ کا اصرار ہے کہ آپکے استفسار وجواب کو معارف مین شائع کیا جائے آپکے ارشاد کی
تعمیل مین یہ سطرین چھاپ دی جاتی ہین" کامران بابر کا لڑکا تھا ۹۱۴ھ یا ۹۱۵ھ مین پیدا ہوا، بابرنامہ
مین ایک سے زیادہ موقعون پر اس کا ذکر آیا ہے (بابرنامہ ص ۳۹۵ وغیرہ) وہ بابر کے ہمرکاب رہتا تھا،
بابر نے اپنی مثنوی مبین اس کی تعلیم کے لئے لکھی تھی، (منتخب التواریخ ج ۱ ص ۳۴۳) نیز اس نے کامران
کے نام مختلف خطوط لکھے، اور اپنی تزک کا ایک نسخہ اس کو بھیجا، شاہزادگی کے ساتھ تیر اندازی مین کمال
حاصل تھا ۹۳۲ھ مین ولایت کابل و قندھار کی گورنری پر مامور تھا، پھر ملتان بھی اُس کے زیر حکومت آیا،
(ہمایون نامہ ص ۹، اکبرنامہ ج ۱ ص ۹۳، مآثر رحیمی ج ۲ ص ۳۰۳)

بابر کی وفات کے بعد ہمایون اور کامران مین تخت نشینی کے لئے جو کشمکش رہی، وہ تاریخ ہند
کے مشہور واقعات ہین، کسی تاریخ کو اٹھا کر آپ پڑھ لین، ہمایون جب پٹھانون سے نبرد آزما تھا،
تو کامران مغربی سرحد پر کابل اور قندھار پر قبضہ جمائے ایرانیون کو روکے ہوئے تھا، پھر آگرہ مین ان
بھائیون کی ملاقات ہوئی ایک دوسرے نے باچشم پرنم معانقہ کیا، اور متحدہ کوششون سے سلطنت

کے منتشر شیرازہ کو یکجا کرنے کو باہم طے کیا، اسی اثنا مین مرزا کامران بیمار پڑا، پھر شیرشاہ کا ریلا آیا تو آگرہ
چھوڑ کر یہ لوگ لاہور پہنچے، وہان سب بھائیون مین مشورہ ہوا، لیکن شیرشاہ یلغار کرتا آگے بڑھتا
گیا، اور کچھ دنون کے لئے ہندوستان سے تیموری سلطنت کا خاتمہ ہوگیا، پھر ہمایون ایران سے واپس
آکر کامران سے کابل مین لڑا، اور کامران محاصرہ سے چھپ کر نکلنے مین کامیاب ہوگیا، اور کچھ دنون
کے بعد وہ پھر کابل پر قابض ہوگیا، افغان سردارون نے میرزا کا ساتھ دیا، اور ہمایون کے خلاف
حملون مین اس کی مدد کی، پھر میرزا کا ستارۂ اقبال گہن مین آیا، بالآخر وہ گرفتار کیا گیا، دولت بصارت
سے محروم کیا گیا، اور شاہی نظر بند کی حیثیت سے زندگی کے دن پورے کئے، آخر عمر مین حج کی نیت سے
مکہ معظمہ گیا، وہان تین حج کی سعادت حاصل کی، اور آخر ۱۲ ذی الحجہ ۹۶۲ھ کو مقام منا مین اس کا
طائر روح پرواز کر گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ،

یہ تیموری شاہزادہ صاحب دیوان بھی تھا، پروفیسر محفوظ الحق مرحوم نے اس کا دیوان
تصحیح وتحشیہ کے ساتھ شائع کیا ہے،

۳- میرزا کامران کی پانچ لڑکیان، گلرخ، حاجی بیگم، گلعذار، جبیبہ بیگم، اور عائشہ سلطان تھین،
لڑکے دو تھے، ایک ابراہیم سلطان میرزا، دوسرے میرزا ابوالقاسم موخر الذکر شعراء مین سے تھے، تذکرہ
کی کتابون ہفت اقلیم و مخزن الغرائب وغیرہ مین ان کا ذکر آیا ہے،

۴- تیموری خاندان کے شاہزادون کو شاہزادہ کہتے آئے ہین، یہ محض اُن کے اسلاف سے اُن
کی نسبت کو ظاہر کرتا ہے، جو لوگ تیموری خاندان کی عظمت سے باخبر ہین، وہ اُن کے اخلاف کی اُن
کے بزرگون کی نسبت سے قدر کرتے ہین،

پٹھانون اور تیموریون مین قدیم چشمک رہی ہے، لیکن اب یہ داستانین پارینہ ہوچکی ہین، آپ لوگ
اسلامی برادری کے توسط سے باہم مخلصانہ تعلقات قائم رکھین، خصوصاً اپنے افغان دوستون سے

آپ یہ بھی کہہ سکتے ہین، کہ آپ کے مورثِ اعلیٰ اور افغان سردارون مین باہمی مودت رہی ہے، اس تعلق سے آپ دونون بھی ایک دوسرے کے دوست ہو سکتے ہین،

اسلام مین نسلی امتیازات کو کوئی اہمیت حاصل نہین،

کلکم بنی آدم و آدم من تراب — یعنی تم مین سے ہر ایک بنی آدم ہے اور آدم (علیہ السلام) مٹی کے تھے،

کو پیش نظر رکھیں، اسلام کی نظر مین اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی تم مین بزرگ تر وہ ہے جو بارگاہِ الٰہی مین تم مین سے زیادہ متقی ہے، نسلی امتیازات کے سلسلہ مین اصل اصول ہے، مومن کو اپنی نگاہ اسی مین مرکوز رکھنی چاہئے، والسلام "س"

اتحاد یورپ و عیسائیت کی اولین کوششین

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، استاذ جامعہ عثمانیہ کٹل منڈی حیدرآباد دکن

"دو ماہ کے سفر حجاز دین کے بعد ابھی ابھی گھر پہنچا، کچھ علمی فتوحات کا ذکر انشاء اللہ آئندہ،

جدہ مین ایک معارف سے معلوم ہوا تھا، کہ مولانا عبدالسلام صاحب نے تدوینِ حدیث پر کوئی رسالہ شائع کیا ہے، براہ کرم میرے کتب فروش حبیب کمپنی، اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن کو اس کا ایک نسخہ میرے لئے روانہ فرما دیجئے،

۲- ابھی ابھی جنوری ۱۹۴۷ء کا معارف دیکھا، آپ نے ص ۹، پر ڈیلوس کانفرنس کا ذکر کیا ہے، مین سمجھتا ہون، یہ اتحاد یونان کے لئے تھی، نہ کہ اتحاد یورپ کے لئے، اسی سلسلہ مین آپ نے ۱۰۹۵ء کی اٹلی مین منعقد شدہ کانفرنس کو اتحاد یورپ[1] کے لئے لکھا ہے،

[1] معارف:- اتحاد یورپ نہین اتحادِ عیسائیت!

اور ثبوت مین تبلیغ مسیحیت کا ذکر کیا ہے، آپ کا منشا واضح نہ ہو سکا، اتحاد عیسائیت کی اولین کوشش مین نے ۱۰۹۵ء سے قرار دی ہے، اتحاد یورپ سیاسی کوشش ہو، اٹلی کی کانفرنس مذہبی تھی، بہرحال اگر میری غلط فہمی دور کرنے کے لئے کچھ مزید وضاحت فرمائیں تو ممنون ہونگا، زیربحث تنقید مین یہ امر شاید نظر سے چوک گیا، کہ زیر تنقید کتاب مین علاوہ اقوام متحدہ کے بین الممالک عدالت کا دستور بھی شریک کیا گیا ہے،"

معارف:- گرامی نامہ ملا، سفر حجاز دین سے واپسی مبارک ہو، آپ کے "علمی فتوحات" کا انتظار رہے گا، کہ ناظرین معارف کی ضیافتِ طبع کا سامان ہو،

۱- مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کا کوئی رسالہ "تدوینِ حدیث" کے نام سے نہین ہے، غالباً جدہ مین آپنے مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی (دار العلوم) بادشاہی مسجد مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈہ کے رسالہ "تدوینِ حدیث" کا ریویو پڑھا ہوگا، وہ رسالہ مولانا موصوف سے مذکورہ بالا پتہ سے مل سکتا ہے،

۲- آپ ڈیلوس کانفرنس کو اتحاد یونان کے سلسلہ کی ایک تحریک قرار دیتے ہین، یون اس زمانہ کے یونان کو یورپ سے الگ کر کے سمجھنے کا اختیار حاصل ہے، لیکن آپنے اور جو دوسرے واقعات لکھے ہین، اُن کی تفصیلات مین بھی آپ جائین تو شاید ایسی صورتین نکل سکتی ہین، بہرحال مجھے کوئی عذر نہین، کہ ڈیلوس کو اتحاد یورپ کے بجائے اتحاد یونان کی تحریک سمجھا جائے، اسی لئے یہ کہا گیا تھا کہ

"اس کا سُراغ اس سے بہت پہلے ۴۷۸ ق م مین مل سکتا ہے"،

ظاہر ہے کہ اس سُراغ کا مفہوم یہی تھا کہ اس سلسلہ کی ابتدائی کوششین تھین،

۳- ۱۰۹۶ء کی اس کانفرنس کا ذکر اس سلسلہ مین لایا گیا تھا، کہ "اتحادِ عیسائیت" کی کوششون مین اس کو نمایان درجہ حاصل تھا، یہ معلوم ہے کہ پہلے پاپاے روما نے راجر کو شمالی افریقہ پر حملہ آوری کے لئے آمادہ کرنا چاہا، اور کہا گیا کہ

"قسم ہے انجیل کی، یہ ہمارے لئے بہتر ہے اور اُن کے لئے بھی کہ سب مل کر اسلامی ممالک پر حملہ آور ہون کہ تمام اسلامی ممالک عیسائی ممالک بن جائین"

لیکن مد اجر نے اس کانفرنس کے لئے اٹلی کے مقام کو موزون سمجھا، اور ۴۹۰ھ ۱۰۹۶ء مین وہان پہلی جنگ صلیبی چھیڑنے کے لئے مشہور کانفرنس ہوئی، اور مختلف عیسائی حکمرانون نے مختلف اسلامی ملکون کی فتح کا منصوبہ باندھا، اور یہ سب کچھ اسی کانفرنس مین سر جوڑ کر فیصلہ کیا گیا، اس کانفرنس کی اہمیت اور اوّلیت کا تقاضا تھا کہ اس کا ذکر "اتحادِ عیسائیت" کی کوششون کے ضمن مین خاص طور پر لایا جاتا، معارف مین یہی عرض کرنا مقصود تھا، اس سے زیادہ اور کوئی بات نہ تھی،

بہرحال ان امور مین جو کچھ کہا جا سکتا ہے، وہ ذوقی ہے، اور یہ صحیح ہو کہ مختلف ارباب ذوق اس سلسلہ مین مختلف راہ اختیار کر سکتے ہین،

اُمید ہے کہ یہ سطرین مفہوم کو واضح کرنے کے کام مین آئین گی، اور اگر تشفی نہ پہنچا سکیں تو ذوق و وجدان کے لحاظ سے ان مسائل مین اپنی ایک رائے رکھنے کا حق بہرحال قائم رہے گا،

یہ مناسب معلوم ہوا کہ آپکے مکتوب گرامی اور اس عریضہ کو اشاعت کے لئے دیدیا جائے اُمید ہو کہ اس کو آپ بھی پسند فرمائین گے،

والسلام "س"

اعلان

یکم جنوری ۴۷ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن سیرت پر پندرہ فی صدی، اور دوسری مطبوعات پر بیس فی صدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط و کتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

ادبیات

مبارکباد آزادی

از جناب اقبال احمد خان سہیل

(وہ نظم جو جشنِ آزادی ہند کے موقع پر ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو اعظم گڈھ مین پڑھی گئی)

گلزار وطن کی کوئی دیکھے تو پھبن آج
سرشار ہے خوشبو سے ہر اک دشت و چمن آج

غنچون کا صبا توڑ گئی قفلِ دہن آج
ہے ہر گلِ خندان کی زبان پر یہ سخن آج

صد شکر کہ ٹوٹا درِ زندانِ محن آج

پھر موج نے ڈوبی ہوئی کشتی کو ابھارا
بگڑی ہوئی تقدیر کو ہمت نے سنوارا

کھوئی تھی جو عظمت وہ ملی ہم کو دوبارا
روشن ہے پھر آزادیِ مشرق کا ستارا

یہ خوشخبری لائی ہے سورج کی کرن آج

ہے جمعۂ آخر مہِ پاکِ رمضان کا
دیکھو وہ جھروکے سے مہ عید نے جھانکا

اب رنگ بدلنے کو ہے گلزارِ جہان کا
صدیون سے جہان شور تھا فریاد و فغان کا

نغمون سے ہے معمور وہی بیتِ حزن آج

رخصت ہے شبِ تارِ غلامی کا اندھیرا
وہ سامنے ہے صبحِ سعادت کا سویرا

بھارت سے بدبختی کا اکھڑنے لگا ڈیرا
لہرائے نہ کیون عظمتِ قومی کا پھریرا

آزاد ہوا قیدِ غلامی سے وطن آج

ہر چند کثیر بیونت سے جو کام میں صیاد ۱؎ — پھر بھی تو بہر حال وطن ہو گیا آزاد
قائم ہوئی جمہوریتِ ہند کی بنیاد — اب شوق سے پھولے پھلے ہر نخلِ چمن زاد

پھر سبزۂ بیگانہ سے خالی ہے چمن آج

غالب ہوئی طاقت کے مقابل میں سچائی — صیاد سے چھینی ہے اسیروں نے رہائی
جیتی ہے انھوں نے اہنسا کی لڑائی — آزاد ۱؎ کو تبریک جواہر کو بدھائی

سچ ہو کے رہا دہر میں گاندھی کا بچن آج

اللہ رے یہ فیضِ دعائے مدنی ۲؎ کا — آتشکدہ گلزار ہوا حق طلبی کا
لایا رمضان ہند میں مژدہ یہ خوشی کا — ماتھے سے مٹا ہند کے غیر کا ٹیکا

جاتا رہا اس چاند کے چہرے سے گہن آج

وہ زندۂ جاوید وطن کے وہ فدائی — جان اپنی جنھوں نے رہِ ملت میں گنوائی
ہمت نے انھی کی ہمیں ساعت یہ دکھائی — انصاری و اجمل ہوں تلک ہوں کہ گسائی

یاد آتے ہیں سب ہم کو شہیدانِ وطن آج

دنیا سے اٹھے داس ۳؎ بھی نہرو ۴؎ بھی نہیں ہیں — نیتا جی ۵؎ خدا جانے کہاں گوشہ گزیں ہیں
پھر بھی یہی کہتے ہیں جو اربابِ یقیں ہیں — جسم اُن کے کہیں ہوں مگر ارواح یہیں ہیں

اور وہ بھی ہیں اس جشنِ مسرت سے مگن آج

دنیا ہی میں تنہا نہیں یہ جشنِ خداداد — فردوس میں بھی پہنچی ہے اس جشن کی روداد

۱؎ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد ۲؎ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی ۳؎ آنجہانی سی آر، داس ۴؎ پنڈت موتی لال نہرو آنجہانی ۵؎ سبھاش چندر بوس

سندھی ۱؎ بھی یہ خبر سن کے ہوئے خرم و دلشاد — مسرور ہیں مملوک علی ۲؎ قاسم ۳؎ و امداد ۴؎

دیتے ہیں خبر خلد سے محمود حسن ۵؎ آج

سرمایۂ ملت ہوئی جانبازیِ افراد — قربانی و ایثار کی آخر تو ملی داد
کہتے ہیں یہ اشفاق ۶؎ و بھگت ۷؎ بسمل ۸؎ و آزاد ۹؎ — اللہ نے سن لی دلِ مظلوم کی فریاد

زینہ ہے حکومت کا وہی دار و رسن آج

جس پاؤں سے کل آتی تھی زنجیر کی جھنکار — آج اس نے کیا مشرقِ خوابیدہ کو بیدار
وہ ہاتھ جو کل ہتھکڑیوں میں تھے گرفتار — آزادیِ اقوام کے ہیں آج علمدار

ہیرے سے بھی وزنی ہو جواہر کا سخن آج

جو لوگ خوشامد کا کیا کرتے تھے بیوپار — سر بیچ کے "سر" بننے پہ جو رہتے تھے تیار
آج اُن کے لیے سرد ہے اعزاز کا بازار — وہ مفت بکا چاہیں تو پائیں نہ خریدار

ایثار کے سکے کا ہے دنیا میں چلن آج

وہ ننگِ وطن غاصبِ بیگانہ کے حامی — تھا وجہ شرف جن کے لیے طوقِ غلامی
جھک جھک کے جو اغیار کو دیتے تھے سلامی — جو قیدِ غلامی کو سمجھتے تھے دوامی

ہوں کچھ بھی حیادار تو ہو ان کی مرن آج

اے بادِ صبا خواب سے ٹیپو کو جگا دے — مرحوم ظفر شاہ کے شانوں کو ہلا دے
پہلے تو ادب سے سرِ تسلیم جھکا دے — پھر دونوں کو یہ مژدۂ جان بخش سنا دے

۱؎ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ریشمی چٹھی کی تحریک آزادی کے ہیرو ۲؎ حضرت مولانا مملوک العلی مسند نشین شاہ عبد العزیز ۳؎ قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم بانی دار العلوم دیوبند ۴؎ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ ۵؎ شیخ الہند مولانا محمود حسن ۶؎ اشفاق اللہ خان شہید (کاکوری کیس) ۷؎ سرفروش حریت بھگت سنگھ ۸؎ منشی رام پرشاد بسمل (کاکوری کیس کے ہیرو) ۹؎ پنڈت چندر شیکھر آزاد

آزاد ہے کشمیر سے لے تا بہ دکن آج

ہوں گی اسی دنیا مین کہین جھانسی کی رانی وہ خالدۂ[1] ہند وہ نوشابۂ[2] ثانی

ہے فخرِ وطن جن کی شجاعت کی کہانی اُن کو بھی سُنا جا کے یہ پیغام زبانی

پوری ہوئی آزادیِ قومی کی لگن آج

ہے یاد ہمین حضرت جوہر[3] کا وہ ارشاد آئین گے نہ وہ ہند مین جب تک نہ ہو آزاد

کہدے کوئی اُن سے کہ ہوئی ختم وہ میعاد اُجڑی ہوئی محفل ہو کرین اس کو پھر آباد

آجائین کہ پورا ہوا وہ عہدِ کہن آج

رفتارِ سیاست کے جو نبّاض ہین ماہر کہتے ہین نئے دور کے آثار ہین ظاہر

مٹنے کو ہین صیّادیِ مغرب کے مظاہر مشرق کے سپہدار عساکر ہین جواہر[4]

جاولکے ہم آواز ہین قفقاز و یمن آج

اے قلعۂ سُرخ اے اثر شاہجہانی اے بلدۂ دہلی غم و حسرت کی کہانی

برباد شدہ عظمتِ ماضی کی نشانی لے تجھ کو مبارک یہ نیا دورِ جوانی

تقدیر نے پھر تجھکو بنایا ہے دلھن آج

ارباب وطن تم کو مبارک ہو یہ محفل ہان جشن منالو کہ ہے موقع ہی قابل

ہو نا نہ مگر جوشِ طرب مین کہین غافل تخریب تو آسان تھی تعمیر ہے مشکل

ہے سامنے منزل ابھی کل سے بھی کٹھن آج

---

[1] ٹرکی کی مشہور مصنفہ جو تیغ و قلم دونون کی ملکہ ہین جنھون نے مردون کے دوش بدوش میدان جنگ مین دادِ شجاعت دی ہے [2] سرحد ایران پر ایک چھوٹے سے ملک کی رانی جس نے سکندر اعظم کو شکست فاش دی، [3] مولانا محمد علی جوہر [4] ایشیاٹک کانفرنس کے صدر پنڈت نہرو،

سچ ہو کہ نہین سب کے مذاہب بھی یہان ایک اور یون بھی سمجھ لو کہ نہین سب کی زبان ایک

پھر بھی تو وطن ایک ہی او رسود و زیان ایک ہم سب کا خدا ایک ہے ہم سب کا نشان ایک

پھر دل مین ہو کیون خارِ عداوت کی چبھن آج

وہ چشمِ فسون گر ہے نہ وہ دورِ شبانہ کل جو بھی ہوا آج بھلا دو وہ فسانہ

ہر روز نئے رنگ بدلتا ہے زمانہ اچھا نہین سوتے ہوئے فتنون کو جگانا

جائز نہین آپس مین جبینون کی شکن آج

وہ دھرم ہو ہندو کا کہ ہو مذہبِ اسلام جو دین بھی ہو دیتا ہے محبت ہی کا پیغام

مذہب کو خدا کے لئے مت کیجئے بدنام کل شیر و شکر ہون یونہی کل ہند کی اقوام

سنگم پہ ہین جس طرح ملی گنگ و جمن آج

گوتم نے چراغان کیا کل ملک مین یکسر روشن کر و الفت کا دیا دل کے بھی اندر

کیون حرفِ جمیل آج نہ ہو جمیل کے دفتر اک شاعرۂ ہند ہین صوبہ کی گورنر

اُٹھے دلِ شاعر سے نہ کیون موجِ سخن آج

اشارات

از

جناب انور کرمانی، لودھیانہ

ظلماتِ عدم مین نظر آئے ترے انوار کھل جاتے ہین اسرار اگر آنکھ ہو بیدار

انفس مین نہ آفاق مین ٹھہرا دلِ عارف! شہباز نہین ہوتا نشیمن کا گرفتار

کرتے ہین طواف اس کا شب و روز و مہ و سال مومن ہے جہان مین صفتِ نقطۂ پرکار

بے معرکہ ممکن نہین تکمیل جنون کی از بسکہ قیامت ہے قیامت کی خریدار

آمر کی حکومت ہو کہ سلطانیِ جمہور ۔ اک فتنۂ اوہام ہے اک فتنۂ افکار

لادین سیاست کی ہے مغرب مین قبا چاک ۔ چنگیز کی بیٹی ہوئی رسوا سر بازار

مہر و مہ و انجم کا ہے وہ فقر شکاری ۔ شبنم کی طرح جس کی بصیرت ہو سبکبار

پھونکا وہ فسون ساحر انگلیس نے انور

تہذیب مین داخل ہوا اسلام کا انکار

رنگِ حسرت

از

جناب ندیم جعفری ڈیرہ غازی خان

مجھے کیونکر نہ ہوگی شادکامی ۔ درِ جانان کی حاصل ہے غلامی

مرے لب کس لئے یون وقفِ شکوہ ۔ کہ جاری ہے جفاے التزامی

کتاب زندگی کے بابِ غم مین ۔ لکھا ہے آپ کا اسمِ گرامی

تعارف کی نہین چندان ضرورت ۔ وہ میرا جانتے ہین نام نامی

جفاے یار کی مشق فرو زان ۔ مری ایذا پسندی کی ہے حامی

کیفیات دل

از جناب حافظ حاجی شاہ حمید الدین صاحب عارفؔ مرحوم اسلام پوری

نکلی حسرت نہ کوئی بھی دل کی ۔ آرزو دل مین رہ گئی دل کی

دل کی لیتا نہین خبر کوئی ۔ آرزو کرتے ہین سبھی دل کی

غنچے کھلتے ہزارون دیکھے ہین ۔ کھلتے دیکھی نہین کلی دل کی

دل پہ وہ ہاتھ رکھ کے کہتے ہین ۔ اب تو حسرت نکل گئی دل کی

ایک لحظہ نہین قرار اسے ۔ جائے گی کب یہ بے کلی دل کی

کیون یہ دل آگیا پسند تمھین ۔ کون سی بات بھاگئی دل کی
دل کی باتون پر آج چھپائیے ۔ کہیئے اور سنئے دل کی

چل دیئے آپ دل کو تڑپا کر ۔ کون دیکھے یہ بے بسی دل کی

لاکھ انکار تم کرو عارفؔ

نہین چھپتی کبھی لگی دل کی

کلام شفقت

از جناب سید فضل الحق شفقتؔ کاظمی ڈیرہ غازیخان

مجبور کرم اُن کی نظر ہو کے رہے گی ۔ سرمایۂ تسکینِ جگر ہو کے رہے گی

کر جائین گی کام اُن کی فسون ساز نگاہین ۔ دنیاے سکون زیر و زبر ہو کے رہے گی

عالم ہے یہی تیرے جمالون کا تو دنیا ۔ آوارۂ ہر راہ گذر ہو کے رہے گی

آوٗن گا پسِ مرگ بہت یاد مین اُن کو ۔ آنکھ اُن کی مرے سوگ مین تر ہو کے رہے گی

ناکام تمنا وہ مجھے کر کے رہین گے ۔ تقدیر مری خاک بسر ہو کے رہے گی

جانکاہ سہی لاکھ غمِ ہجر کے صدمے ۔ یاد اُن کی مگر عیش اثر ہو کے رہے گی

راضی ہین جو وہ نامہ و پیغام پہ شفقتؔ

اب شامِ جدائی کی سحر ہو کے رہے گی

آئین وفا

از جناب شفقؔ جوالاپوری

یہی آئین وفا ہے تجھے کچھ یاد بھی ہے ۔ جو ہے پابند سلاسل وہی آزاد بھی ہے

ترے دمساز بھی لالہ و گل سرو وسمن — بلبلِ نغمہ سرا! باغ مین صیاد بھی ہے
نہین کھلتا نہین کھلتا ہے معمہ دل کا — کبھی برباد ستم ہی کبھی آباد بھی ہے
مرے ارمان ترے اندازِ تغافل کے نثار — اے مرے بھولنے والے تجھے کچھ یاد بھی ہے
جوئے شیرین تو ابلنے کو ہے بیتاب مگر — تیشہ زن، آج کہین ہمتِ فرہاد بھی ہے

آج مجبورِ و فورِ غمِ فرقت ہے شفق
لب پہ آہین بھی ہین نالے بھی ہین فریاد بھی ہے

جہانِ آرزو

از

جناب عرشی شاہ آبادی حیدر آباد دکن

کہان تک انتظار دید کی یہ فکر سامانی — نگاہ لطف پیہم کیجئے یہ عہد و پیمان کیا
یہ کہہ سکتا ہے رحمت سے تجھے انکار ہے زاہد — کہان کی پرسش فردا، سزائے جرم و عصیان کیا
یہ قیدین دانشِ گم کردہ منزل کیلئے ہونگی — جنونِ شوق کے عالم مین بستی کیا بیابان کیا

اگر مقدور ہو تو چاک کر دون جامۂ ہستی
دلِ وحشت زدہ کے واسطے یہ جیب و دامان کیا

کلیاتِ شبلی اردو

مولانا شبلی رحم کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ، جس مین مثنوی صبحِ امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کی چہل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، قیمت :- عہ

بَابُ التَّقرِیظِ وَالاِنتِقَاد

نوائے حیات[1]

مجموعۂ کلام جناب یحییٰ اعظمی

از شاہ معین الدین احمد ندوی

جدید قومی و سیاسی شاعری جس کی ابتدا حالی اور شبلی نے کی، اور اقبال نے اس کو کمال تک پہنچایا، مسلمانون کی ملی زندگی مین بانگِ درا کا حکم رکھتی ہے، سب سے اول انہی بزرگون نے بتایا کہ شاعری محض بزمِ طرب کا نغمہ و ساز نہین ہے، بلکہ اس سے کاروانِ ملت کے لئے حُدی کا، میدانِ جہاد مین تکبیر کا، اور حیاتِ ملی کی تجدید و احیا مین نفخ صور کا کام لیا جا سکتا ہے، چنانچہ مُسدس حالی، مولانا شبلی کی نظمون، اور اقبال کے کلام نے مسلمانون مین بیداری کی جو روح پیدا کی، وہ سیکڑون کتابون سے ممکن نہ تھی، حالی کے زمانہ سے لیکر مولانا محمد علی مرحوم کے دور تک مسلمانون کی سیاست مذہبی تھی، اس لئے قومی ترانون مین بھی مذہبی لَے شامل تھی ع

نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

لیکن اس کے بعد جو سیاست پیدا ہوئی، وہ سراسر مادی اور یورپ کی لادینی سیاست کی صدائے بازگشت تھی، جس سے نوجوانون کا طبقہ زیادہ متاثر ہوا، یہی طبقہ انقلابی جوش کے ساتھ شاعری کے میدان مین آیا، عموماً اس کی علمی استعداد بھی نہایت خام تھی، اس لئے اس دور مین جو قومی و سیاسی شاعری پیدا ہوئی اس کا بڑا حصہ شاعری کے محاسن اور اسلامی روح دونون سے خالی ہے،

---

[1] ضخامت ۵ ، ۱ صفحے کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی،

ان نوجوانون کی شاعری کا مدار زیادہ تر فطری مناسبت اور ذوق کی رہنمائی پر ہے، فن سے اس کو بہت کم علاقہ ہے، اس لئے جہان تک ذوق کی رہنمائی کام دیتی ہے، وہ چلتے ہین، اور جہان فن کی ضرورت پڑتی ہے، بھٹک جاتے ہین، انھون نے محض سیاسی اور انقلابی خیالات اور الفاظ کو خاص بحر و وزن مین کھپا دینے کا نام شاعری رکھا ہے، بلکہ جدید ترقی پسند شاعری نے یہ قید بھی اٹھا دی ہے اور بعضون نے تو بحر و وزن کی آزادی کے ساتھ معنی و مفہوم کی ذمہ داری سے بھی گلو خلاصی حاصل کر لی ہے، جس کا ثبوت ترقی پسند شاعری ہے،

اس شاعری کی معنوی حیثیت اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے، جدید سیاست بالکل لادینی اور اس کا مقصود صرف مادی انقلاب ہے، اس لئے ان انقلابیون کے نزدیک قومی تعمیر کے مذہبی و ملی عناصر کی کوئی اہمیت نہین، اور ان کی سیاست تمامتر تخریبی ہے، چنانچہ ان کی سب سے پہلی بغاوت خدا اور اس کے احکام سے ہوتی ہے، اور ان کے انقلاب کی زد سب سے پہلے خود اُن کے مذہب و ملت اور ان کی تہذیب و معاشرت پر پڑتی ہے،

ان کی مثال اس اناڑی سرجن کی ہے، جسے جسم کے ماؤف اور صحیح و تندرست حصون مین امتیاز نہین، جسم سے فاسد مادہ کے اخراج کی ضرورت سے کسی کو انکار نہین، لیکن اسی کے ساتھ اس کی احتیاط بھی ضروری ہے، کہ نشتر کسی نازک رگ پر نہ پڑنے پائے، کہ علاج ہی موت کا سبب بن جائے، اور ہمارے ان نئے سرجنون کو ملت کی رگِ جان یعنی مذہب پر بھی نشترزنی مین باک نہین، اس کی تصدیق ترقی پسند شاعرون کے کلام سے ہو سکتی ہے،

یہ ظاہر ہے کہ جسم کے صحیح و متوازن نشو و نما کے لئے اس کے ہر حصہ اور ہر عضو کو یکسان خون کی ضرورت ہے، ورنہ جس حصہ مین خون نہ پہنچے گا وہ خشک ہو جائے گا، یا صحیح نشو و نما سے محروم رہے گا، اور ہمارے نئے شاعر قومی زندگی کے بعض پہلوؤن پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہین، اور بعض کو بالکل نظرانداز

کر دیتے ہین، ظاہر ہے کہ اس سے قومی زندگی کا جو پیکر بن کر تیار ہوگا، وہ کیسا ہوگا،

لیکن ہر کلیہ اور عموم مین مستثنیات بھی ہوتے ہین، چنانچہ اس نئے طبقہ مین بھی ایسے شعراء نکل آتے ہین، جن کا کلام فنی حیثیت سے شاعری کہلانے کا مستحق اور معنوی حیثیت سے قوم کے لئے واقعی پیامِ زندگی ہے، انہی شعراء مین جناب یحیٰی اعظمی اور اُن کے کلام کا اسم بامسمی مجموعہ نوائے حیات ہے، گو وہ جدید دور سے تعلق رکھتے ہین، اور اُن کی شاعری کی بنیاد قومیات و سیاسیات پر ہے، لیکن ان مین شاعری کی فطری صلاحیت کے ساتھ اس کی فنی استعداد بھی ہے، اور وہ مذہب و ملت کا بھی درد رکھتے ہین، اور اُن کی شاعری کا آغاز اور اس کا نشو و نما دار المصنفین کی علمی و ادبی فضا اور مولانا اقبال احمد خان صاحب سہیل جیسے استادِ فن کی رہنمائی مین ہوا، اور انھون نے ابتدا سے خیالات اور طرزِ ادا دونون مین مولانا شبلی مرحوم کا تتبع کیا، اور پندرہ بیس سال تک برابر اُن کی مشق جاری رہی، اس لئے اُن کا کلام ظاہری لباس اور اندرونی روح دونون پہلوؤن سے جدید قومی شاعری مین ایک خاص امتیاز رکھتا ہے وہ صحیح معنون مین قومی و ملی شاعری کہلانے کا مستحق ہے، اس مین شاعرانہ محاسن بھی ہین، مشق و مہارت کی پختگی بھی ہے، مذہبی روح بھی ہے، قومی و ملی حمیت بھی ہے، اخلاق کا درس بھی ہے، سیاسی رجز بھی ہے، غرض حیاتِ ملی کے تمام عناصر پورے اعتدال و توازن کے ساتھ موجود ہین، اور وہ قوم کے لئے نوائے حیات کے ساتھ جدید دور کے گم کردہ راہ شعراء کے لئے پیامِ اصلاح بھی ہے، کتاب کے شروع مین حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے قلم سے حقیقی اور اصلی شاعری اور جناب یحیٰی کے کلام کی خصوصیات پر مختصر مگر حکیمانہ تبصرہ ہے، جو قومی ملی و مذہبی شاعری کے لئے بنیادی نصاب کی حیثیت رکھتا ہے

اس مجموعہ پر تفصیلی نقد و تبصرہ کی گنجائش نہین، اس لئے صرف ان کے نمونے پیش کئے جاتے ہین:-

مذہبی اصلاحی نظمین

جناب یحیٰی کی شاعری کی بنیاد مذہب آمیز سیاست پر ہے، اور ان کی بہت کم نظمین اس روح سے خالی ہین، بعض مثالین ملاحظہ ہون،

موجودہ زمانہ کے مسلمانون کی حالت کا نقشہ :-

حیف یہ دور ہے محروم رسولِ عربی — زندہ سینہ مین ہے اس کے شررِ بولہبی
جس کی گرمی تھی حیاتِ دلِ مومن کا فروغ — ہم مین باقی نہین وہ ولولۂ حق طلبی
نہ وہ خمخانۂ یثرب کا ہے فیضانِ نشاط — نہ وہ رندان مے آشام کی ہے تشنہ لبی
ملتِ حق سے یہ بیگانگی اللہ اللہ — جیسے اس دور کو مطلوب نہین دین نبی
دل افسردہ ہے بیگانہ سوزِ غم عشق — نالہ ہائے سحری ہین نہ دعا ہائے شبی
امتِ خیر بشر اور یہ احوال زبون — نظر آتی ہے زمانہ مین یہ کیا بوالعجبی
کیا تری شرعِ گرامی کی یہی ہے تعلیم — ایکہ قربان تو صد مرتبہ اُمی و ابی

ہم اور اپنے کو کہین پیرو پیغمبر حق
اس سے بڑھکر نہین دُنیا مین کوئی بے ادبی

عہدِ حاضر کے گم کردہ راہ نوجوانون کے اوہام باطلہ کی تصویر

اک باخبر بزرگ سے پوچھا جو مین نے کل — دنیا مین کیون ہین آج رذائل نئے نئے
چھایا ہے کیون دماغون پر یورپ کا فلسفہ — مغرب کی حکمتون کے ہین قائل نئے نئے
درد زبان نظام معیشت ہین نو بہ نو — بحثین نئی نئی ہین مسائل نئے نئے
سرمایہ کا کہین کہین محنت کا ہے سوال — ہین خدمتِ شکم کے وسائل نئے نئے
الحاد کا شکار ہین، ملت کے نوجوان — ہین تیغ کارل مارکس کے گھائل نئے نئے
شرع و نظام ملتِ اسلام کے خلاف — صف بستہ ہین وطن مین قبائل نئے نئے
اخلاق ہین وہ اب نہ وہ اوصاف زندگی — دورِ جدید کے ہین فضائل نئے نئے
صورت بدل گئی ہے تو سیرت بدل گئی — ہین آج نوجوان کے خصائل نئے نئے

گر اُن سے پوچھیے سبب اس انقلاب کا — برہان نئے نئے ہین دلائل نئے نئے
سُن کر زبانِ پاک سے ارشاد یہ ہوا — کچھ بے سبب نہین یہ رذائل نئے نئے
در اصل ہے یہ حکمتِ دین سے کم آگہی — پیدا کئے ہین جس نے مسائل نئے نئے

دولت جو اپنے گھر کی ہے اس کی نہین خبر
دریوزہ گر ہین غیر کی چوکھٹ پہ دربدر

عہد حاضر کے فتنے :-

عجب فتنہ ہے یارب جہان مین درپیش — نہ فکر روز قیامت نہ خوف بوم وعید
ہے اس کی عقل تجدد نواز کا فتویٰ — جہان کہنہ کی ہر شے ہے لائقِ تجدید
نئی اساس پہ دنیائے نو کرد تعمیر — بنائے کہنہ کو ڈھانے کی ہو ہمین تاکید
کسی طرح سے یہ بزم جہان بدل جائے — وہ کر رہا ہے ہر انقلاب کی تائید
جدید طرز پہ ہو اجتہادِ فکر و نظر — کہ عہدِ نو مین خطا ہے قدیم کی تقلید
عبث ہین آج روایاتِ سیزدہ صد سال — ہے اب یہ دفتر پارینہ لائقِ تردید
قدیم عہد کے سرمایہ ہائے منقولات — جدید دور کے عقل و قیاس کو ہین بعید
اصولِ شرع مین بھی ناگزیر ہے ترمیم — کہ انقلاب زمانہ کا اقتضا ہے شدید
اسے بھی ڈھال دو اب عہد نو کے سانچے مین — تمھارے پاس ہو موجود جو کتاب مجید
جہان نو مین نہین اعتبار کے قابل — یہ فلسفہ یہ شریعت یہ فقہ بے تجدید
ضرورت اب ہے کہ ان کو جہان مین پیش کرو — بہ ذوقِ دانش حاضر بہ آب و رنگ جدید

ہزار حیف یہ نکتہ ہے اُن سے پوشیدہ
بری ہے نسخ و تغیر سے مذہب توحید

بارگاہ مستجاب الدعوات میں دعا،

تجھے تیری قسم یارب فغان بے نوا سن لے
خداوندا شکستہ شیشۂ دل کی صدا سن لے

دعاہاے سحرگاہی کو اذن باریابی دے
زبان چاک دل سے نالۂ درد آشنا سن لے

مری شبہاے غم کی ظلمتیں معمور ہیں جس سے
وہ فریاد حزین سن لے وہ آہ نارسا سن لے

تو خود دانا و بینا ہے مگر میری زبان سے بھی
دل مظلوم پر جو کچھ گذرتی ہے ذرا سن لے

دعا اک ربط روحانی ہے آقا اور بندہ میں
زبان سے میری یارب میرا حرف مدعا سن لے

پریشان ہو رہا ہے ہند میں شیرازۂ ملت
پراگندہ ہے حال امت خیر الوری سن لے

کہاں وہ شیوہ صدق و صفا اب تیری بندون میں
مسلمانون کے باہم شکوۂ جور و جفا سن لے

ادا ہوتا تھا کل تک کلمۂ حق جن زبانون سے
نکلتا ہے انھیں سے آج حرف ناسزا سن لے

رہے گی آہ مظلومان ملت بے اثر کب تک
کبھی تو دردمندون کے دلون کی التجا سن لے

مسلمانون کو مست بادۂ صدق و صفا کر دے
شراب کہنۂ یثرب سے پھر ذوق آشنا کر دے

سیاسی نظمیں نواے حیات کی سیاسی نظمیں مذہبی نظمون سے بھی زیادہ پرجوش اور رزمگاہ سیاست کا رجز ہیں، ایک نظم میں ہندوستان کے زوال پذیر مسلمانون سے اس طرح خطاب ہے،

مسلمانون کبھی ہنگامہ آراے جہان تم تھے
فروغ بزم ہستی رونق کون و مکان تم تھے

جنھیں تھمنا نہ آتا تھا جہاد زندگانی میں
وہ سرگرم سفر وہ جادہ پیما کاروان تم تھے

پہاڑون کی بنائیں جس کی ٹکر سے لرزتی تھیں
وہ طوفان تلاطم خیز وہ سیل روان تم تھے

جنھیں بزم طرب تھی رزمگہ تم وہ مجاہد تھے
جنھیں موت ایک بازیچہ تھی وہ ارباب جان تم تھے

تم ہی سے دہر میں تھی ہر طرف ہنگامہ آرائی
کہ بزم فطرت بے تاب کی روح روان تم تھے

تمھاری ہر نظر رمز آشناے جہد پیہم تھی
کہ دنیا میں حیات سرمدی کے راز دان تم تھے

تمھاری زندگی آئینہ دار دین بیضا تھی
محافظ ملک و ملت کے وطن کے پاسبان تم تھے

تمھارا پرچم اسلام لہراتا تھا دنیا میں
جہاد زندگی میں کامگار و کامران تم تھے

شہنشاہون کی جانب بھی نگاہیں تک نہ اٹھتی تھیں
خمار بادۂ وحدت سے ایسے سرگران تم تھے

تمھارے دم سے تھا اسلاف کا مجد و شرف باقی
ابھی کل تک وطن میں یادگار باستان تم تھے

تمھارا ہی تمدن شرق سے تا غرب پھیلا تھا
دماغ و دل کی دنیا پر ابھی کل حکمران تم تھے

جہان کو جگمگاتی تھیں تمھارے فیض کی کرنیں
فروغ بزم مشرق تابش ہندوستان تم تھے

مگر اب مسخ ہو ایسے کہ گر اسلاف بھی اٹھیں
نہ مانیں یہ کہ ان کے ہی چراغ دودمان تم تھے

تمھیں نے اپنی حالت آپ بدلی ورنہ بتلاؤ
کبھی یون پائمال انقلاب آسمان تم تھے

میں کچھ کہتا نہیں تم ہی ذرا انصاف سے دیکھو
کبھی پہلے کبھی ایسے سرخوش خواب گران تم تھے

شجر اسلام کی آبیاری ہمیشہ خون شہدا سے ہوئی ہے، اس لئے اسلام میں شہید اور شہادت کا مرتبہ بہت بلند ہے، اور خدا کی جانب سے اُن کو حیات ابدی کی بشارت دیگئی ہے، لَا تَقُولُوا لِمَن یُقتَل فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَمْوَاتاً بَلْ ھُمْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ جناب یحیی کے قلم نے بھی اس مقام محمود کی بڑی موثر اور لطیف مصوری کی ہے،

زندہ جاوید ہیں ملت کے شہیدان کرم
نوجوانون تمھیں معلوم بھی ہے ان کا مقام

یہ وہ مرحوم ہیں جن کے لئے خود رحمت حق
لیکے آتی ہے حیات ابدی کا پیغام

اُن کی لاشون پہ فرشتون کی صفیں جھکتی ہیں
لیکے اُترتی ہیں جو خوشنودی حق کا پیغام

یہ وہ ارباب وفا ہیں کہ لہو سے اپنے
کھینچے صفحۂ ایام پہ ہیں نقش دوام

سرخرو قسمتِ بیضا ہے انہی کے دم سے — خون اُن کا ہے مگر غازۂ روے سلام
چمن خلد کا اک تازہ گل خندان ہے — نہین آغشتہ بخون ہے وہ جبینِ گلفام
اللہ اللہ وہ رعنائیِ رخسارِ شہید — بھول سکتی ہے بھلا اُس کو نگاہِ ایام
آرزو مند حیات آہ انھین کیا جانین — مرکے ہوتے ہین، جو فردوس مکان خلد مقام
جب شہادت کی نوید ابدی آتی ہے — ہر نفس زیست کا ان کے لئے ہوتا ہے حرام
کیا زمانہ نہین اس راز سے آگاہ ابھی — تابشِ روے شہیدان ہے فروغِ سلام

دی ہے جن کے دم جان بخش نے ملت کو حیات
اُن کی روحون پہ ہو سو بار درود اور سلام

مختلف نظمون کے نمونے — مذہبی و سیاسی نظمون کے علاوہ نواے حیات مین مختلف جذبات و تاثرات اور مناظر پر نہایت دلکش نظمین ہین، مست گھٹا کا منظر ملاحظہ ہو،

وہ دیکھو میکدہ بردوش پورب سے گھٹا اُٹھی — جلو مین اپنے لے کر چشمۂ آب بقا اٹھی
مثالِ ساقی میخانہ مستِ بادۂ رنگین — سراپا بیخود و سرشار و مستانہ ادا اٹھی
خمارِ حسن مین کھوے ہوے گیسوے مشکین کو — رداے قیرگون اوڑھے ہوے سرتابہ پا اٹھی
خیابان کے لئے بن کر پیام رنگ و بو آئی — بیابان کے لئے لیکر نوید جانفزا اُٹھی
ہوئین امرت کی بوندین کارفرما سبزہ و گل مین — جہانِ خشک کی پامال کھیتی لہلہا اُٹھی
بسائے دامنون کو عطر و عنبر مین نسیم آئی — نشاط و کیف مین ڈوبی ہوئی موجِ صبا اٹھی
دکھایا اس قدر ابرِ کرم نے جوشِ تردستی — کہ آب و گل کی دنیا موجِ کوثر مین نہا اٹھی

چراغ لالہ و گل ہر طرف روشن ہوے ایسے
کہ بزم عالم امکان سراپا جگمگا اُٹھی

اس روح پرور موسم مین ساونی کی بہار دیکھئے،

بے نور تیرے سامنے ہین چاندنی کے پھول — تیری بھی کیا بہار ہے اے ساونی کے پھول
شوخی تری ہے باغ کے پھولون مین انتخاب — رنگت کو دیکھ کر تری شرمندہ ہے گلاب
سرسبز ڈالیون مین یہ اللہ رے جوشِ رنگ — فرط شگفتگی سے ہے ہر شاخ شوخ و شنگ
ہر دوشِ نخل بارِ گلِ تر لئے ہوے — ہر دستِ شاخ ساغرِ احمر لئے ہوے
سر پہ ہر ایک شاخ کے پھولون کا یہ ہجوم — نظارہ فرطِ کیف سے جاتا ہے جھوم جھوم
گرنا ترا زمین پہ وہ حُسن ادا کے ساتھ — اڑنا وہ دور تک کبھی موجِ ہوا کے ساتھ
تیری یہ سرخوشی ہے نتیجہ کس کے جام کی — نسبت عطا ہوئی ہے تجھے کس کے نام کی

ان نظمون کی لطافت و رنگینی کسی تشریح کی محتاج نہین، اصحابِ ذوق خود اس کا اندازہ کرسکتے ہین:-

تغزل — شاعری مین اظہارِ کمال کا اصل میدان غزل ہے نظمون کی وسعت مین تو اظہارِ خیالات کی بڑی گنجائش ہے، جو خیال ایک شعر مین ادا نہ ہوسکتا ہو، اس کو اس سے زیادہ مین ادا کیا جاسکتا ہے، لیکن غزل مین جذبات و تاثرات کی پوری دنیا ایک شعر مین سمیٹنا پڑتی ہے، اور پھر حسن بیان کی پوری دلآویزی کے ساتھ ورنہ شعر غزل کے رتبہ سے گر جائے گا، پھر نظمین کسی خاص عنوان اور انہی سے متعلق خیالات تک محدود ہوتی ہین، اور غزل گوناگون جذبات و تاثرات کا پیمانہ ہین، اور یہ شراب اسکی مین اپنا کیف واثر دکھاتی ہے،

جناب یحییٰ کی فطرت رنگین اور شاعرانہ ہے، اس لئے اُن کی نظمون مین بھی تغزل کی دلکشی و رنگینی ہے جس کا اندازہ اوپر کی نظمون سے ہوا ہوگا، لیکن اُن کا گلستان شاعری تغزل کے زمزمہ سے بھی خالی نہین ہے، اور اس مین قلبی واردات و تاثرات، خیالات کی رنگینی و مستی، بیان کی

نزاکت و دلکشی تمام معنوی کیفیتین اور ظاہری لطافتین موجود ہین،

اعظمی صاحب کا ذوق غزل کے مقابلہ مین نظمون سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، اس کا اثر یعنی خیالات کا تسلسل اور اُس کی یکسانی اُن کی غزلون مین بھی نمایان ہے، جس سے اُن کی کم غزلین خالی ہین، اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اُن کے ایک طرز کے خیالات اور ایک رنگ کے جذبات عموماً ایک ہی غزل مین مل جاتے ہین اور انتخاب کے لئے مختلف غزلون کی ضرورت نہین پڑتی، اس لئے اس تبصرہ مین بھی متفرق اشعار کے بجائے پوری پوری غزلین نقل کی جاتی ہین،

قلبی واردات و تاثرات کی مثالین،

حیات اک مستقل غم کی کہانی ہوتی جاتی ہو
محبت ہی مآلِ زندگانی ہوتی جاتی ہے

دلِ محزون سے ہر نقشِ تصور مٹتا جاتا ہو
مگر اک یاد اُن کی جاودانی ہوتی جاتی ہے

نظر آنے لگا ہے اور ہی کچھ منظر فطرت
نگاہون پر یہ کس کی حکمرانی ہوتی جاتی ہے

زبانون پر کبھی یہ حرف ناز آ نہین سکتا
حدیث شوق آنکھون کی زبانی ہوتی جاتی ہے

محبت نے چھپا رکھی تھی جو اک آگ سی دل مین
وہی آنکھون سے اب بہ بہ کے پانی ہوتی جاتی ہے

نہ اب وہ ولولے ہین اور نہ ذوقِ زندگی باقی
حیاتِ شوق نذرِ عمرِ فانی ہوتی جاتی ہے

محبت مین کچھ ایسی بات پیہم ہوتی جاتی ہو
کہ ساری زندگی اک مستقل غم ہوتی جاتی ہو

لہو رونے پہ مائل چشم پر نم ہوتی جاتی ہے
مری دنیاے غم شاداب و خرم ہوتی جاتی ہو

ٹپک کر چہرۂ افسردہ کو شاداب کرتی ہے
مرے آنسو کی ہر بوند اشک شبنم ہوتی جاتی ہو

وہی ہین بزم عالم کی نشاط انگیزیان لیکن
نہ جانے کیون طبیعت مائلِ غم ہوتی جاتی ہو

دل ویران بھی یارب کیا کوئی معمورۂ غم ہو
یہان کی ہر خوشی تمہید ماتم ہوتی جاتی ہو

رنگینی و مستی :-

ادھر بھی بخش دے اک جرعۂ کیف آفرین ساقی
تری مخمور آنکھون پر فدا دنیا و دین ساقی

اٹھا تو بھی اُسی عالم مین جام ساتگین ساقی
گھٹاؤن سے برستی ہے شراب آتشین ساقی

ہر اک موج صبا اب موجِ صہبا بنکے آتی ہو
فضائین بن گئی ہین میکدہ کی سرزمین ساقی

برستا ہے زمین پر آبِ حیوان ابر باران سے
بہا دے تو بھی اُٹھکر جوے شیر و انگبین ساقی

تخیل تیرے جلوون کا تصور تیری آنکھون کا
یہ عالم ہے کہ اب ہے رقص مین جان حزین ساقی

تجلی ہر طرف ہے بزم مین یہ جام رنگین کی
فروغ انگیز ہے یا تیری تابندہ جبین ساقی

ترے ساغر سے جس دم بارشِ انوار ہوتی ہو
فلک کیا جھومتا ہے کیف مین عرش برین ساقی

خیالات کی پاکیزگی و لطافت :-

فضاے لامکان تک ہے معطر
کسی کے در کی خاکِ عنبرین سے

جسے ملتی ہے ساقی کے لبون سے
اسے کیا کام شیر و انگبین سے

سلامت میری فردوس تصور
کہ رنگین ہے جمالِ ہمنشین سے

بہت ہے عمر بھر کی بیخودی کو
ملی ہے جو نگاہ اولین سے

چلی آتی ہو کس کی بوے جان بخش
صبا کی مست موج عنبرین سے

ملے سجدے جو اُن کے آستان کے
گہر نکلے فرہ کی آستین سے

جہان کا ذرہ ذرہ رقص مین ہو
محبت کی شرابِ آتشین سے

حقیقت ہاے ہستی پوچھئے کاش
کسی دیوانہ صحرا نشین سے

اسی کو رند سمجھے جلوۂ طور
تڑپ اٹھین جو موجِ ساتگین سے

زبان وبیان کی سادگی وسلاست،

وہ جاکر بھی آنکھون مین چھائے ہوے ہین	نگاہون مین اب تک سمائے ہوئے ہین
غم ماسوا کو بھلائے ہوئے ہین	کسی سے جواب لو لگائے ہوئے ہین
معنبر ہین زلفین معطر ہین عارض	وہ پھولون مین گویا بسائے ہوئے ہین
صباحت ہے وہ پیکر نازنین مین	کہ کوثر مین گویا نہائے ہوئے ہین
وہ خود اپنی سرشار آنکھون سے مجھکو	شراب محبت پلائے ہوئے ہین
چمکتی ہے ہرسمت برق تجلی	کہ وہ رُخ سے پردہ ہٹائے ہوئے ہین
یہ حالت ہے اب اُن کے سودائیون کی	بہت زیست سے تنگ آئے ہوئے ہین

مذکورۂ بالا نمونون سے موجودہ شعرا مین جناب نجمی کے کلام کے درجہ کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ ہوگیا ہوگا، مگر اس کی خوبیون کا پورا انداز نوائے حیات کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے،

ان محاسن کے ساتھ اس خوشنما گلدستے مین اشخاص اور مسلک پر تلخ تنقیدون کے خار البتہ کھٹکتے ہین، کاش یہ پاکیزہ مجموعہ اس سے پاک ہوتا، اولاً یہ طریقہ وحدت قومی اور اتحاد اسلامی کے خلاف ہے، جس کے فقدان کا خود مصنف نے ماتم کیا ہے،

کہان وہ شیوۂ صدق وصفا اب تیرے بندون مین	مسلمانون کے باہم شکوۂ جور وجفا سن لے
ادا ہوتا تھا کل تک کلمۂ حق جن زبانون سے	نکلتا ہے انہی سے آج حرف ناسزا سن لے

کیا محض سیاسی مسلک کے اختلاف پر تلخ گفتاری کلمۂ ناسزا نہین ہے،

اس سے قطع نظر خود مصنف کے بہت سے خیالات تنقید وتصحیح کے محتاج ہین، اور جابجا اُن مین تضاد وتناقض نظر آتا ہے، ایک طرف تو انھون نے متعدد نظمون مین سر اقبال کے حضور مین خراج عقیدت پیش کیا ہے، ان کی وفات پر بڑے پُر زور مرثیے لکھے ہین، ان نظمون مین اُنھون نے

اقبال کو اسلام کی تعلیمات کا سب سے بڑا رمز شناس وعارف اور اس دور کا مجدد تک مانا ہے، اور اُن کی شاعری کو قرآنی تعلیمات کا جوہر تسلیم کیا ہے، اور کوئی خوبی اور کمال ایسا نہین ہے جو اُن کی ذات مین نہ دکھایا گیا ہو، دوسری طرف اُن کے سیاسی مسلک پر سخت تنقید ہے، ان دونون مین سے ایک ہی خیال صحیح ہوسکتا ہے؟

درحقیقت یہ اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے، کہ مصنف نے اقبال کے بعض خیالات کو جزوی امور مین سطحی مشابہت کی بنا پر لیگ کی ہمنوائی تصور کرلیا ہے، جو صحیح نہین ہے، وہ کسی خاص جماعت سے کلیتہً وابستہ نہین تھے، اور نہ کسی کے خیالات سے متاثر تھے، بلکہ خود دوسری جماعتون نے اُن کے تصورات سے ناقص استفادہ کیا ہے، اقبال خود ایک مستقل مسلک مستقل نصب العین اور خاص پروگرام رکھتے تھے جس کی ساری عمر تبلیغ کرتے رہے، اُن کے بعض خالص فلسفیانہ تصورات کو چھوڑ کر ان کی قومی وملی شاعری کی بنیاد اور اس کی روح اور اس کی غرض وغایت اسلام کا احیا، اور مسلمانون کی تجدید واصلاح ہے، اُن کا عقیدہ تھا، کہ مادیات کے اس تیرہ وتار دور مین اسلام ہی کی روشنی قندیل رہبانی کا کام دے سکتی ہے، اور اسی نسخۂ شفا پر عمل انسانیت کے جملہ امراض کا مداوا ہے، اور مسلمان ہی اقوام عالم کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتے ہین، اس لئے وہ مسلمانون کو پھر كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ کے منصب جلیل پر دیکھنا چاہتے تھے،

یہ مسلم ہے کہ قومون کا احیا اور اُن کی تعمیر جن بنیادون پر ہوگی، اسی کے مطابق وہ بنیگی، آج ساری دنیا کا معیار ترقی خالص مادی اور معاشی ہے، اور اُس کے وسائل بھی مادی ہین، اسی لئے جو قوم جس قدر مادی سروسامان مین غرق ہوگی، اسی قدر وہ ترقی یافتہ کہلائیگی، خواہ اخلاقی وروحانی اعتبار سے وہ کتنے ہی تہی دامن ہو، لیکن مسلمانون کا معیار ترقی اس سے بالکل مختلف ہے، ان کی ترقی کا پیمانہ اسلام ہے، اس لئے مسلمان قوم موجودہ معیار ترقی کے لحاظ سے خواہ کتنے ہی معراج کمال پر کیون نہ پہنچ جائے لیکن اگر وہ اسلام سے دور ہے تو ایک مسلمان کے لئے وہ ترقی نہین بلکہ تنزل ہے، اس لئے مسلمانون کی

ترقی کے بارہ مین اقبال مرحوم کا نقطۂ نظر بھی خالص اسلامی تھا، اور وہ مذہب، سیاست، تہذیب، معاشرت،
جملہ نظامِ زندگی مین مسلمانون کو دوسری قومون کے اثرات سے بچنے اور خالص اسلامی قوانین و تعلیمات پر
عمل کی دعوت دیتے تھے، اور ان کو اسلام کی صراطِ مستقیم کے ذریعہ سے ترقی کی منزل کی جانب لیجانا چاہتے تھے،
یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، کہ دنیا کی کوئی قوم کسی دوسری قوم کی حکومت یا اوس کے نظام کے
ماتحت اپنی قومی روایات اور امتیازی خصوصیات کے مطابق ترقی نہین کر سکتی خصوصاً مسلمانون کی تجدید و
اصلاح تو اسلامی حکومت کے بغیر ممکن ہی نہین ہے بلکہ یہان تک کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت کے بغیر کوئی مسلمان صحیح معنون مین
کامل اسلامی زندگی بسر نہین کر سکتا اور بہت سے دنیاوی معاملات مین وہ غیر اسلامی قوانین کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے اقبال کے پیشِ نظر
صرف سیاسی غلامی سے مسلمانون کی آزادی اور اُن کی مادی ترقی نہین تھی بلکہ اُن کا مقصد اُن کی حقیقی تجدید و اصلاح
تھی، جو غیر اسلامی حکومت کے ذریعہ ممکن ہی نہین ہے، اس لئے وہ اسلامی حکومت کو ضروری سمجھتے تھے،
اور سب سے پہلے اُن ہی نے یہ تخیل پیش کیا تھا، مگر اسلامی حکومت سے ان کا مقصد کسی خاص خطہ مین مسلمان
نامی قوم کی سیاسی حکومت نہین، بلکہ پورے اسلامی نظام کے ساتھ حکومتِ الٰہیہ کا قیام تھا، جو نہ صرف
مسلمانون بلکہ ساری دنیا کے لئے پیامِ رحمت ہو،

اقبال کے اس تصور سے کسی مسلمان کو بھی اختلاف نہین ہو سکتا، اُن کا ذکر نہین جن کا سیاسی
نقطۂ نظر اسلام سے مختلف ہے، اور ان کا مقصود مسلمانون کی حقیقی تجدید و اصلاح نہین، بلکہ صرف
سیاسی آزادی ہے، باقی کسی سیاسی جماعت اور اقبال کے کسی خیال مین جزوی یا سطحی مشابہت سے ان کو
کلیتہً اس جماعت کا ہم نوا سمجھ لینا خود اپنی غلطی ہے، سونا ملمع کی ظاہری ہمرنگی کی وجہ سے کھوٹا نہین
کہا جا سکتا، اقبال کے کسی تصور کی غلط ترجمانی مین ان کا کیا قصور، صاحبِ نظر کا کام تشابہات کا
پہچاننا ہے نہ کہ خود اس مین مبتلا ہو جانا،

مطبوعاتِ جدیدہ

سفرنامۂ انندرام مخلص حجم ۱۰۰ صفحے لکھائی چھپائی خوشخط ٹائپ مین، قیمت :- ے
پتہ :- مہتمم کتب خانہ ریاست رام پور،

انندرام مخلص عہدِ محمد شاہی کے ممتاز ادیبون مین سے تھا اُس نے اس سفرنامہ کو ۱۱۶۸ھ ہجری مین لکھا،
جس مین محمد شاہ بادشاہ دہلی کے حملۂ بنگڑھ کے واقعات کی تفصیل درج ہے، اس سفر مین مخلص محمد شاہ
کے ہمرکاب تھا، سفرنامہ کے مرتب و مصحح جناب ڈاکٹر سید اظہر علی صاحب ام اے پی اچ ڈی ہین جنھون نے
غیر معمولی محنت و جانفشانی سے قابلِ قدر حواشی کے ساتھ اس کو مرتب کیا ہے،

مرتب نے اپنے دیباچہ مین سفرنامہ نویسی پر سیر حاصل بحث کی ہے، افسوس ہے کہ اس سلسلہ مین مرتب
کے بعض مندرجات سے ہمین اتفاق نہین ہے، مرتب کا خیال ہے کہ اہلِ یورپ اس صنف مین ہم سے آگے
ہین کہ انھون نے اپنے سفر کے حالات لکھ کر یادگار چھوڑے، اُس کے بالمقابل مسلمانون مین سیر و سیاحت
کی دلچسپی رکھنے والون کی تعداد کچھ زیادہ نہین رہی، حالانکہ ہندوستان کے متعلق یورپین سیاحون کے جو
کچھ معلومات ہین، ان سے ہندوستان کی تاریخ کے سمجھنے مین کچھ زیادہ مدد نہین ملتی، برخلاف اس کے ہندوستان کے
عہدِ قدیم سے اُس کے آخر دور تک کے مسلمان جغرافیہ نویسون اور سیاحون کی تصنیفات مین جو معلومات
درج ہین، اُن کو اہم حیثیت حاصل ہے، اور ان مین سے بیشتر معلومات ہندوستان کی تاریخ کی اہم کڑی
ہین، اور دوسرے ذرائع سے وہ معلومات کسی حال مین حاصل نہین ہوتے ہین، یہ مفید معلومات ہمارے لئے
ہندوستان کو سمجھنے کا بہترین وسیلہ ہین اور ہندوستان کے یورپین سیاحون کے سفرنامون کے مندرجات

سے بہت زیادہ قابلِ قدر ہیں، مرتب نے اس سفرنامہ کی اشاعت میں اس کے بعض ضروری حصّے بھی حذف کردیئے ہیں، باوجودیکہ افادی حیثیت سے اُن کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی،

دیباچہ کے بعد آنندرام مخلص کے سوانحِ حیات کا باب آیا ہے، اس ذیل میں اس کے مفصل حالاتِ زندگی، اس کی تعلیمی و علمی زندگی، اُس کے ادبی عقائد، ظریفانہ بذلہ سنجی، اور اس کی تصنیفات کا جائزہ تفصیل سے لیا گیا ہے، اور اس کی ہر کتاب اور اُس کے مباحث کو پیش کیا گیا ہے، آخر میں سفرنامہ کا ذکر تفصیل سے آیا ہے، اور اس کے معلومات اور زبان پر مفید معلومات یکجا کئے گئے ہیں، پھر سفرنامہ میں جن اہم شخصیتوں کا ذکر آیا ہے اُن کے متعلق معلومات اور دوسرے مآخذ سے فراہم کئے گئے ہیں، اور اس سفرنامہ کے ضروری معلومات اس سلسلہ میں قلمبند ہوئے ہیں، آخر میں "مخصوص اصطلاحات" کے عنوان سے بعض ایسی اصطلاحوں کا مفہوم متعین کیا گیا ہے جن کا ذکر اس سفرنامہ میں آیا ہے ؛ یہ معلومات اچھے خاصے اور قابلِ قدر، اور مرتب کے وسیع مطالعہ اور اخذ نتائج کے سلیقہ کے شاہد ہیں، ۱۴۰ صفحوں میں یہ مقدمہ ختم ہوا ہے، اس کے بعد اصل سفرنامہ کا فارسی متن ہے، جو ۱۰۰ صفحوں میں آیا ہے، اور آخر میں چند صفحے اشاریہ کے منسلک ہیں،

مجموعی حیثیت سے یہ سفرنامہ ہندوستان کی تاریخ کے آخر دور کی اہم کڑی ہے، اُمید ہے کہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے گا،

اسلامی نظریۂ سیاست از جناب مولانا حیدر زمان صاحب صدیقی، ناشر مکتبۂ دین و دانش، کھنباں کنوان، بانکی پور، پٹنہ حجم ۱۱۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- عمر

مصنف نے اس میں اسلام کے نظامِ اجتماع و نظریۂ سیاست کو شرح و بسط سے پیش کیا ہے، اور دکھایا ہے کہ اسلام کا نظامِ سیاست موجودہ طرزِ جمہوریت سے علٰحدہ امارت و خلافت کے صحیح معیار پر جو حریتِ عامہ و حریتِ فکر کے ساتھ قائم ہے، اسلام میں مفتوح اقوام سے حسنِ سلوک سے پیش آنا

بین الاقوامی معاہدات کا احترام کرنا اس کی ہمہ گیر تعلیمات میں داخل ہے، آخر میں خلافتِ الٰہیہ کے دورِ سعادت کے عنوان سے ان مباحث پر فکر و بحث کی نظر ڈالی ہے، اور اسلام میں دین و سیاست، جہاد، اسلامی اُمّ اسلام اور استقلالِ مرکز کے مقام کو دکھایا ہے، یہ پورا مقالہ کئی نمبروں میں ناظرینِ معارف کی نگاہ سے گذر چکا ہے، اب یہ رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا ہے، اور حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے اس پر دیباچہ لکھا ہے، جس میں سیاسیاتِ اسلام کے نظریے بیان کئے گئے ہیں، اور اسلام کے سیاسی اصولوں کو کتاب و سنت سے پیش کیا گیا ہو، اس سلسلہ میں اردو میں اسلامی سیاست اور دنیا کے دوسرے سیاسی نظام پر اب تک جو تحریریں چھپی ہیں اُنکا ذکر آیا ہے، اور یہ معلومات اس سلسلہ میں پہلی مرتبہ قلمبند ہوئے ہیں، امید ہے کہ اس رسالہ سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

حکومتِ الٰہیہ اور علمائے مفکرین، مرتبہ جناب ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری، حجم ۴۱۵ صفحے تقطیع چھوٹی، کتابت، چھپائی اچھی، قیمت للعہ پتہ: مکتبہ نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

اس میں مؤلف نے تحریک حکومتِ الٰہیہ پر ملک کے ممتاز اربابِ علم کی تحریریں یکجا کی ہیں، ان مضامین میں اسلام کے سیاسی نظریہ، اسلامی نصب العین، حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت اور اس کے موجبات و اصول و مناہج پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، جو لوگ اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں اُن کے لئے یہ ایک پر معلومات کتاب ہے جس میں اس موضوع پر اچھے سے اچھے اربابِ فکر علماء کے خیالات قلمبند ہو گئے ہیں، اور اُن کے تاثرات و جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ربع صدی میں ہمارے ہندوستان کے اربابِ فکر علماء و قائدین کے شخصی رجحانات کیا رہے ہیں، اور حکومتِ الٰہیہ کی تحریک نے رفتہ رفتہ کیونکر نشو و نما پائی ہے، مضامین کے ایسے مجموعے ہمارے اندر غور و فکر کی عادت ڈالیں گے، اور اُن سے ہم موجودہ اسلامی سیاست اور اُس کے پس منظر کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں، توقع ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

تصریحات، از جناب محمد منظر الدین صاحب صدیقی بی اے، ناشر مکتبہ نشاۃ ثانیہ چھپل گوڑہ حیدر آباد دکن، حجم ۲۰۰ صفحے، قیمت :- عہ،

تصریحات، مصنف کے متفرق مذہبی و ادبی مضامین کا دلچسپ مجموعہ ہے، "جمہوریتِ جدیدہ" "اسلام"، "ہندوستانی مسلمانون کا تمدن"، "عربون کا مستقبل"، "عقلیت پرستی پر ایک نظر"، "عقلیت جدیدہ اور اس کے خلاف بغاوت"، "اشتراکی مغالطے" اور "مذہب اور موجودہ مسلم سیاست" کے مضامین مسلمانون کے لئے مستقل مطالعہ کی چیزین ہین جنہین غور و فکر کی راہین دکھائی گئی ہین، امید ہے کہ یہ مضامین پوری دلچسپی سے پڑھے جائین گے،

عہدِ عباسی، از جناب ڈاکٹر اس بی صمدی، لکچرر اسلامک کلچر، لکھنؤ، یونیورسٹی، پتہ اختر منزل، بیر روڈ لکھنؤ حجم ۲۰۰ صفحے،

مصنف نے اس مین عہد عباسی کی علمی و تمدنی زندگی کا جائزہ لیا ہے، اور عربون کے علم، ادب، طریقۂ تعلیم اور فنونِ لطیفہ پر تفصیلی نظر ڈالی ہے، عباسیون کے عہد کے تمدنی مرقعے، اردو مین اس سے پہلے بھی مختلف تصنیفات مین پیش کئے جا چکے ہیں امید ہو کہ اس سلسلہ مین اس رسالہ کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

بیگمات اودھ کے خطوط از جناب مفتی انتظام الدین صاحب شہابی، ناشر مکتبۂ ادب، اردو بازار دہلی حجم ۱۴۴ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۶،

بیگمات اودھ کے خطوط، مخزن اسرار سلطانی کے نام سے اس سے پہلے چھپ چکے تھے، لائق مرتب نے اس مجموعہ اور اپنے ذاتی کتب خانہ کے ایک نادر مجموعہ سے ان خطوط کو مرتب کیا ہو یہ خطوط بیگمات اودھ کی طرف سے جان عالم سلطان واجد علی شاہ کے نام مٹیا برج مین اُن کی نظر بندی کے زمانہ مین اُن کے پاس بھیجے گئے تھے، یہ مراسلات سراپا ہجر و صال، اور اشتیاق ملاقات کی داستانین ہین، اُن کا مجموعہ مولانا عبد الحلیم شرر کی نگاہ سے گذرا تھا، اور ان کا بیان ہے کہ "میری

انشا پردازی کا پہلا نصاب یہی تو دو نامے تھے، جو ظاہری صورت اور باطنی رنگِ عبادت دونون حیثیتون سے بہت ہی دلکش تھے"، بعض خطوط مین ان کوششون کا ذکر بھی آیا ہے جو سلطان واجد علی شاہ کی عدم موجودگی مین ان کے بعض شاہزادون کو شاہ اودھ کے لقب سے تخت نشین کرنے کی گئی تھین، بہر حال یہ نادر مجموعہ ادبی حیثیت سے مطالعہ کے لائق ہے، اور اردو زبان کا ان سے صحیح لطف حاصل ہوتا ہے، ان کے طرزِ ادا اور عبارت آرائی کا طریق وہی ہے، جو اس زمانہ مین مرزا رجب علی سرور کے طرز تحریر مین نمایان تھا، اُمید ہے کہ ارباب ذوق دلچسپی سے اس کا مطالعہ کرین گے،

اقبال خواتین کی نظر مین، مرتبہ جناب کیتا امروہوی حجم ۲۰۶ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت عہ حکیم ذکی احمد صاحب دفتر آتالیق انگریزی کلان محل، دہلی،

ڈاکٹر سر اقبال پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور لکھا جائے گا، زیر نظر مجموعہ اس سلسلہ کی انوکھی کڑی ہے، اس مین ملک کی مختلف خواتین نے اپنے زاویۂ نگاہ سے اقبال کو سمجھنے اور اپنی سمجھ کے مطابق لکھنے کی کوشش ہے، اس طرح تقریباً ۲۴، ۲۵ خواتین کے مضامین کا یہ مجموعہ مرتب ہو گیا ہے، جس مین اقبال کی شاعری پر دلچسپ بحثین کی گئی ہین،

رُباعیاتِ محروم از جناب تلوک چند محروم حجم ۲۴۰ صفحے، لکھائی جلی، طباعت اچھی تقطیع چھوٹی، قیمت :- عہ، پتہ مکتبۂ ادب (رجسٹرڈ) نمبر ۱۱ رام نگر لاہور،

جناب تلوک چند محروم دورِ آخر کے اُن ہندو شعراے اردو مین ہین، جن پر شاید اس دور کا خاتمہ ہو، موصوف کی رباعیات ادبی صحیفون مین بار ہا نظر آئی ہین، اب وہ مجموعہ کی صورت مین شائع کی گئی ہین، رباعیاں مختلف عنوانون حمد و مناجات، انسان، دنیا، فکر و نظر، جذبات، نصائح مین تقسیم ہین، پھر آخر مین چند متفرق رباعیان درج ہین،

مناجات مین فرماتے ہین،

اے خالقِ پاک اے خداوندِ کریم — حقا کہ تو ہے قدیر و یکتا و قدیم
آلودہ صد ملال ظلمت ہون مین — تو نور و سرور کا ہے دریاے عظیم

اسی طرح فرماتے ہین :-

اے خالق ذوالجلال و رب غفور — ہے تیرے کرم سے جملہ نیرنگ ظہور
ہے رحمتِ عام کارفرما تیری — محروم ہون مین تو اس مین میرا ہی قصور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال نے اس مجموعہ پر اپنا دیباچہ سپرد قلم کیا ہے اور جناب محروم کے کلام کے خصوصیات دکھائے ہین ، توقع ہے کہ اردو دان حلقہ مین اس کو عام قبولیت حاصل ہوگی ،

جامِ نو ، از جناب سید شاہ عنایت مولی تابان القادری ، ناشر مکتبہ قادریہ نمبر ۲۴ خانقاہ شریف لین ، کلکتہ نمبر ۱۴ ، حجم ۱۹۰ صفحے ، قیمت :- عہ/

جام نو ، کلکتہ کے جوان فکر نوجوان شعراء کے کلام کا مجموعہ ہے ، اس گلدستہ کے مرتب جناب تابان قادری نے نوجوانون سے اُن کے مختصر سوانح حیات اور کلام کا انتخاب مانگا ، اور اس کو اُن کی تصویرون کے ساتھ شائع کیا ہے ، اس طرح اس مین کلکتہ کے شعراء کے خود نوشت حالات زندگی اور اُن کے کلام کا انتخاب آگیا ہے ، اور اس لحاظ سے یہ ایک قابلِ قدر مجموعہ ہے ،

قرآنی دعائین اور دعاے مسنونہ ، مرتبہ جناب سردار احمد صاحب ناشر مکتبہ علمیہ جامع مسجد دہلی ، حجم ۹۵ صفحے ، قیمت عمر

اس مجموعہ مین قرآن مجید کی وہ دعائین جو مختلف انبیاے کرام کی زبان سے ادا ہوئی ہین نیز کتب احادیث سے مسنون دعائین یکجا کی گئی ہین ، یہ دعائین مختلف عنوانون کے ساتھ مترجم درج ہین ، اور مختلف دعاؤن کے طلب کرنے اور اُن کے طلب کرنے کے خاص اوقات کا ذکر بھی آیا ہے ،

"س"

جلد ۶۰ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ء عدد ۴

مضامین